Guide to Taxila
(in Urdu)

913.05
Tax—Mar

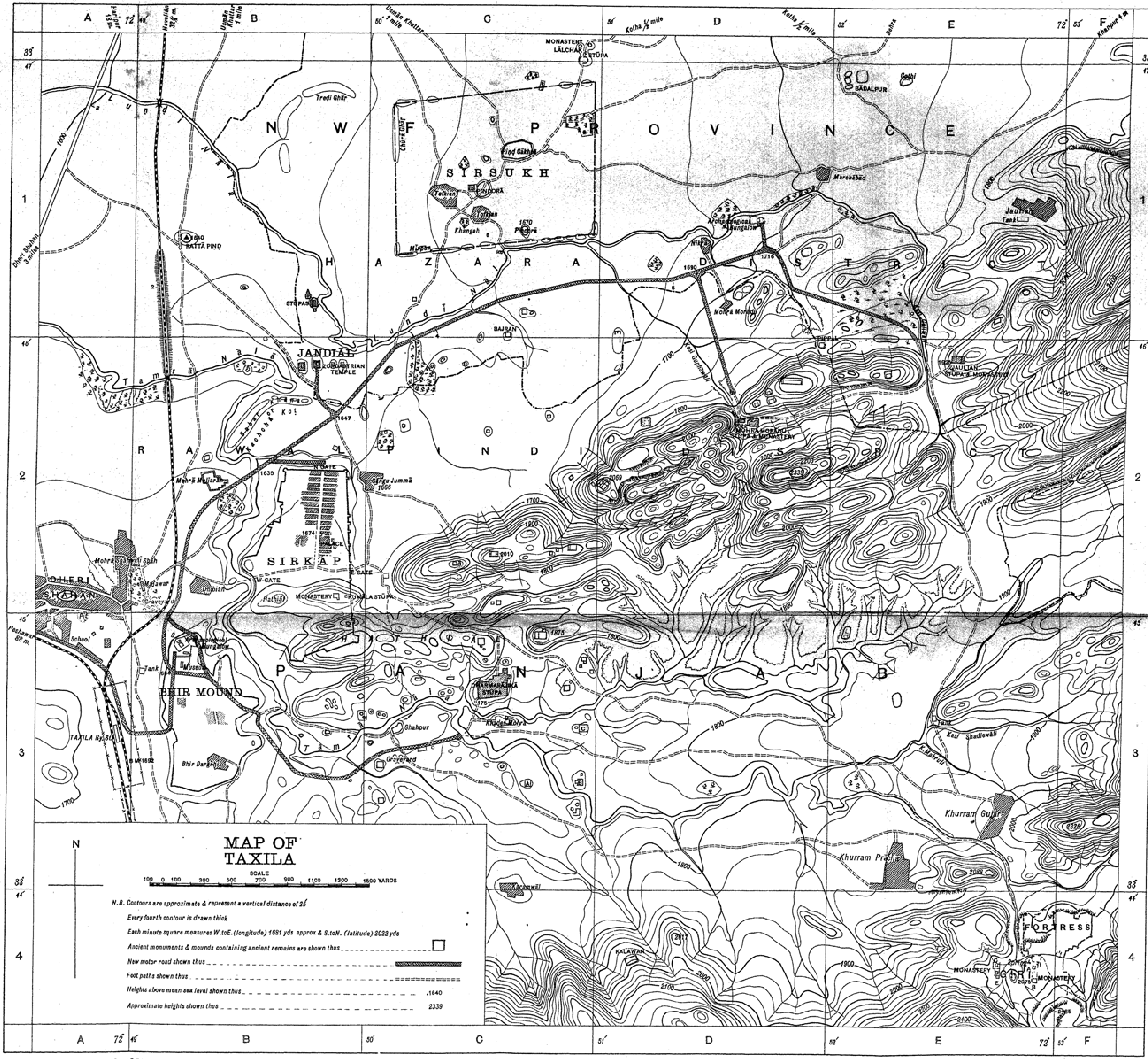

REG. NO. 1973 E'39--1,050.

HELIO. S. I. O. CALCUTTA.

رہنمائے ٹیکسلہ

یعنی

اُردو ترجمہ "گائیڈ ٹو ٹیکسلہ" (طبع ثالث)

مصنفہ

30327

سر جان مارشل صاحب بہادر، نائٹ، سی آئی ای، ڈاکٹر آف لٹریچر، اعزازی اے، آر، آئی، بی، اے، اعزازی فیلو کنگس کالج کیمبرج، وغیرہ سابق ڈائرکٹر جنرل محکمہ آثار قدیمہ ہند

913.05
Tax / Mar

مترجمہ

چودھری محمد حمید خان صاحب قریشی بی، اے،
سابق سپرنٹنڈنٹ محکمہ آثار قدیمہ ہند

۱۹۳۹ء

(طبع ثانی)

فہرست مضامین

صفحہ

باب ۱۔ جغرافیائی حالات ۵

ٹیکسلہ کی جائے وقوع اور اس کی جغرافیائی کیفیت زمانہ قدیم میں، بھڑ کا میدان مرتفع، سرکپ، سرسکھ قدیم شہروں سے باہر کے آثار

باب ۲۔ تاریخی حالات ۱۲

سلطنت ایران، سکندر اعظم، سلیوق فاتح، سلطنت موریا، باختری یونانی، شاکا و پہلوی، پہلوی تمدن، اپالونیس رئیس طیانہ، اہل کشان، ہنوں کا حملہ اور ٹیکسلہ کی بربادی، ہوان چوانگ، تحقیق آثار ٹیکسلہ بزمانہ حال، مشہور واقعات کی جدول بقید تاریخ، اسماء الرجال .....

باب ۳۔ صنعت ۳۳

ہنجامنشی یا پیشدادی، موریائی، یونانی، شاکا اور پہلوی، قندھاری، ہندوستان میں یونانی صنعت کا اثر۔

باب ۴۔ دھرمراجیکا ستوپہ ۴۶

ستوپہ کلاں، ستوپہ کلاں کے گرد چھوٹے گول ستوپوں کا حلقہ، مندروں کا حلقہ، طرز تعمیر کے نمونے چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء جو ستوپہ کلاں کے مناور سے دستیاب ہوئیں، ستوپہ (J¹)، ستوپہ (J²) ستوپہائے (N9 – 13) مناور (N17) و (N18) ستوپہ (N7)

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL
LIBRARY NEW DELHI.
Acc. No. 30327
Date 18.2.57
Call No. 913.05
Tax/Mar

باب ۱۰۔ موہڑہ مرادو، پپلا، جولیاں و بھلڑ ۱۲۹

موہڑہ مرادو کی جائے وقوع، ستوپہ نمبر ۱، ستوپہ نمبر ۲، خانقاہ، پپلا کے ستوپے اور خانقاہیں، جولیاں، ستوپوں کے صحن، ستوپہ کلاں، دیو ہیکل بت اور نذری کتبے، خانقاہ بھلڑ ستوپہ

باب ۱۱۔ بھڑ کا میدان مرتفع ۱۵۳

،، ،، ۔ فہرست الفاظ و صنعتی و عماراتی اصطلاحات وغیرہ ۱۵۸

پلیٹ			بعد صفحہ
I	۱	ڈائونیسس کا سر۔ از سرکپ	۵
II	۲	سکے	۳۶
III	۳	سکے	۳۸
IV	۴	نقشہ دھرمراجیکا ستوپہ	۴۸
V	۵	چنائی کے مختلف نمونے	۵۵
VI	۶	دھرمراجیکا ستوپہ۔ چاندی کے پترے پر کتبہ اور اس کی نقل	۶۴
VII	۷	دھرمراجیکا ستوپہ کا منظر شمال سے	۶۹
VIII	۸	گرہاہی کے قطعے اور خانقاہوں کا پیمائشی نقشہ	۷۴
IX	۹	گرہاہی کی خانقاہوں کے نقشے	۷۶
X	۱۰	ستوپہ کنال کا منظر شمال مغرب سے	۸۴
XI	۱۱	سرکپ کا سطحی نقشہ: دوسرے طبقے یعنی پہلوی زمانے کی عمارات	۹۰
XII	۱۲	محل کا نقشہ	۹۳
XIII	۱۳	سرکپ: دو سر والے عقاب کا مندر	۹۹
XIV	۱۴	سرکپ بسلسلہ مکانات D E-F اور G کا نقشہ	۱۰۱
XV	۱۵	ہارپوکریٹیز کی مورت	۱۰۳
XVI	۱۶	مندر جنڈیال کا نقشہ	۱۱۱
XVII	۱۷	مندر جنڈیال جنوب مشرق سے	۱۱۲
XVIII	۱۸	موہڑہ مرادو کی خانقاہ	۱۲۹
XIX	۱۹	موہڑہ مرادو۔ ستوپہ نمبر ۱ کی مورتیں	۱۳۱
XX	۲۰	پپلا کی کھدائی۔ خانقاہوں کے نقشے	۱۳۷
XXI	۲۱	حفریات جولیاں	۱۴۱
XXII	۲۲	ایک طاق میں چونے کی ابھرواں تصاویر کا مجموعہ	۱۴۶
XXIII	۲۳	جولیاں: حجرہ نمبر ۲۹ کے سامنے ایک مجسمہ نما دیر کی میں بیٹھی کی مورت	۱۴۸
XXIV	۲۴	بھلڑ ستوپہ۔ جنوب مشرق سے	۱۵۲
XXV	۲۵	بھڑ کی کھدائی۔ عمارات کا نقشہ	۱۵۴
		ٹیکسلا کا پیمائشی نقشہ	آخر

عمارات (P1) و (P2)، تالاب، ستوپہائے (K3) و
(P6)، ستوپہ (K1)، منظر گرد و نواح، خانقاہ، عمارت
(H1)، دو گڑھے (M4)، منادر (G1—8)، کتبہ سنہ ۱۳۶،
ستوپہ (G4) کا ظرف تبرکات، مندر (R1)، عمارت (L)،
قوسی مندر (I—3)، منادر (E) و (F1)

باب ۵۔ گڑھی کے درے میں بودھ مذہب کے آثار ۷۳
درہ گڑھی کی جائے وقوع، قلعہ گڑھی، خانقاہ (A—B)، خانقاہ
C-D-E

باب ۶۔ ستوپہ کُنال ۸۳
ستوپہ کی تعیین، کیفیت، خانقاہ۔

باب ۷۔ سرکپ ۹۰
شہر پناہ، شہر کی مسلسل آبادیاں......، محل، نجی مکانات،
مندر واقعہ سلسلہ (G)، مندر عقاب دو سر واقعہ سلسلہ (F)،
آرمائی کتبہ، مکان (F)، سلسلہ (E)، سرکپ کی چھوٹی چھوٹی
قدیم اشیاء، سلسلہ (E)، قوسی مندر (D)، طلائی و نقرئی زیورات
و دیگر قیمتی اشیاء، صحن (A)، طبقات زیریں کی کھدائی،

باب ۸۔ جنڈیال ۱۱۱
مندر، ستوپہ و خانقاہ واقعہ ٹیلہ (B)، ستوپہ (A)،

باب ۹۔ سرسکھ، لال چک، بادلپور ۱۲۰
سرسکھ کی جائے وقوع، سرسکھ کی شہر پناہ، موضع توفلکیاں کے
آثار، لال چک، بودھ آثار، خانقاہ، ستوپہ نمبر ۱، ستوپہ نمبر ۲، بادلپور

فہرست تصاویر

پلیٹ نمبر		مقابل صفحہ	پلیٹ نمبر		مقابل صفحہ
۱-	ڈائیونیسس کا سر از سرکپ	۵	۱۴-	سرکپ سلسلہ مکانات (D E	
۲-	سکے۔	۲۶		(F G) کا سطحی نقشہ	۱۰۱
۳-	سکے۔	۲۸	۱۵-	سرکپ ہارپوکریٹیز کی مورت	۱۰۳
۴-	دھرم راجیکا ستوپہ کا سطحی نقشہ	۴۸	۱۶-	جنڈیال۔ مندر کا سطحی نقشہ	۱۱۱
۵-	طرز تعمیر کے مختلف نمونے	۵۵	۱۷-	" مندر کی عکسی تصویر جنوب مشرق سے	۱۱۲
۶-	دھرم راجیکا ستوپہ۔ چاندی کے		۱۸-	موہڑہ مرادو۔ خانقاہ کا منظر	۱۲۹
	پترے پر کتبہ اور اسکی دستی نقل	۶۴	۱۹-	" " ستوپہ نمبر ا کی مورتیں	۱۳۱
۷-	دھرم راجیکا ستوپہ کی عکسی تصویر		۲۰-	پپلا۔ خانقاہوں کا سطحی نقشہ	۱۳۷
	شمال سے	۶۹	۲۱-	جولیاں کے آثار کا " "	۱۴۱
۸-	گری قلعہ اور خانقاہوں کا سطحی نقشہ	۷۴	۲۲-	" طاق میں ایک مجموعہ تصاویر	۱۴۶
۹-	" خانقاہوں کے سطحی نقشے	۷۶	۲۳-	" حجرہ نمبر ۲۹ کے سامنے مجموعہ تصاویر	
۱۰-	کنال ستوپہ کا منظر شمال مغرب کی طرف سے	۸۴		میں ایک بدھ کی مورت	(۱۴۸)
۱۱-	سرکپ پہلوی آثار کا سطحی نقشہ	۹۰	۲۴-	بھلر ستوپہ کی عکسی تصویر جنوب مشرق سے	۱۵۲
۱۲-	" محل کا سطحی نقشہ	۹۳	۲۵-	بھڑ کے آثار کا سطحی نقشہ	۱۵۴
۱۳-	" مندر عقاب دو سر کی عکسی تصویر	۹۹		ٹیکسلہ کا پیمائشی نقشہ.....	آخر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہنمائے ٹیکسلا

باب ۱

جغرافیائی حالات

ٹیکسلا کی جائے وقوع اور جغرافیائی کیفیت ٹیکسلا کے کھنڈرات شہر راولپنڈی سے قریباً بیس میل جانب شمال مغرب نارتھ ویسٹرن ریلوے کے سٹیشن ٹیکسلا جنکشن[1] کے مشرق

---

[1] سٹیشن پر مسافروں کی آسایش کے لیے عمدہ ویٹنگ روم اور ریفریشمنٹ روم موجود ہیں۔ اور سٹیشن سے ایک میل کے فصل پر محکمہ پی ڈبلیو ڈی کا ڈاک بنگلہ بھی ہے۔ جس میں ٹھیرنے کی اجازت بعض اوقات ایگزیکٹو انجینیر صاحب راولپنڈی سے مل سکتی ہے۔ سٹیشن سے نصف میل سے کچھ کم فصل پر محکمہ آثار قدیمہ کا عجائب خانہ ہے اس میں جو بھی اچھی قدیم اشیا مختلف مقامات کی کھدائی سے برآمد ہوئی ہیں۔ وہ سب سجا دی گئی ہیں اور بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں۔ عجائب خانہ سے قدیم آثار اور خود عجائب خانہ کو دیکھنے کے لیے ٹکٹ مل سکتے ہیں جو ضرور خریدنے چاہئیں (ایک ٹکٹ کی قیمت ۲ ہے اور بچوں کے لیے ۱ ہے۔ طلبائے مدارس کے لیے بھی رعایت ہے، بشرطیکہ کم از کم ایک ہفتہ قبل تاریخ آمد و تعداد طلبا کی اطلاع کیوریٹر ٹیکسلا میوزیم کو دے دیں۔ بغیر ان ٹکٹوں کے مختلف مقامات کے چوکیدار آثار قدیمہ کو دیکھنے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔ مترجم)

Plate I.

Head of Dionysus, Sirkap.

پیداوار کے لحاظ سے جنوبی حصہ کی نسبت بہت زیادہ زرخیز ہے۔ جنوبی نصف میں جا بجا گہرے گہرے کھڈ اور خشک پتھریلی ٹیکریاں ہیں جن میں سے اکثر کی سطح چوٹیوں پر قدیم ستوپوں اور خانقاہوں کے کھنڈر پائے جاتے ہیں۔ کوہ ہتھیال کے مغربی دامن کے ساتھ تمرا یا تبرا نالہ بہتا ہے جو بظاہر وہی نالہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کو یونانی مصنفین نے ٹائیبرونابو، ٹائیبرو نوآم اور ٹائیبریو پوٹےمس لکھا ہے۔ وادی کے شمالی نصف میں دریائے ہرو کا دوسرا معاون نالہ لُنڈی ہے۔ جس کا پانی اگرچہ تمرا کی مانند آج کل بہت نیچے بہتا ہے۔ لیکن ایام قدیم میں یقیناً سطح زمین کے قریب تر ہوگا

شہر بھڑ

اس خوشگوار وادی میں ہمیں تین قدیم شہروں کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ جنکا باہمی فاصلہ قریباً ساڑھے تین میل ہوگا۔ جنوبی جانب کا شہر بھڑ کے نام سے موسوم اور تمرا نالہ اور ٹیکسلہ حویلیاں ریلوے کی لائن کے درمیان ایک میدان مرتفع پر واقع ہے، جو نالے سے ۶۰ - ۷۰ فٹ کے قریب بلند شمالاً جنوباً ۱۲۱۰ گز طویل اور شرقاً غرباً ۷۳۰ گز عریض ہے۔ اس کی جنوبی اور مغربی حدود تو سیدھی اور خاصی باقرینہ ہیں۔ لیکن شمالی اور مشرقی اضلاع معنی اور تمرا نالے کی کھاڑیوں اور اس کے بلند کناروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور بعض کھاڑیوں میں جن کی مٹی پانی کی قطع و برید سے بہہ گئی ہے۔ دیواروں کا معلوم کرنا ناممکن ہوگیا ہے۔ مقامی روایت کے مطابق بھڑ ٹیکسلہ کا سب سے قدیم شہر ہے۔ اور جس قدر پرانی چیزیں اثنائے حضریات میں اس میدان سے برآمد ہوئی ہیں۔ وہ سب اس روایت کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔ یعنی ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شہر یونانیوں کی آمد سے کئی سو برس پہلے آباد ہوا تھا اور یونانیوں نے دوسری صدی قبل مسیح کے آغاز میں اس شہر کو دارالسلطنت

شمال مشرق میں ایک نہایت خوشگوار وادی کے اندر واقع ہیں۔ دریائے ہرو اور اسکے معاون نالے اس وادی کو سیراب کرتے ہیں۔ اور شمال و مشرق میں ہزارہ کے برفانی پہاڑ اور کوہ مری اور جنوب و مغرب میں مارگلہ کی مشہور پہاڑی اور چند دیگر پہاڑیاں جو کسی قدر پست ہیں۔ اس کے گرد مضبوط قدرتی حصار بناتی ہیں۔ ایام قدیم میں ٹیکسلہ کو اپنے اس قدرتی حصار کی مضبوطی، زمینوں کی زرخیزی، عمدہ پانی کی افراط، اور اس تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے جو ہندوستان کو وسطی اور مغربی ایشیا سے ملاتی تھی بہت بڑی اہمیت اور شہرت حاصل تھی۔ یونانی مورخین میں سے ایرین نے لکھا ہے کہ سکندر اعظم کے حملے کے وقت دریائے جہلم اور اٹک کے درمیان جتنے شہر واقع تھے ان میں ٹیکسلہ سب سے بڑا اور آباد شہر تھا، سٹرابو لکھتا ہے کہ ٹیکسلہ کے گرد و نواح کا علاقہ خوب آباد اور زرخیز ہے۔ کیونکہ یہاں پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہو کر میدان شروع ہو جاتے ہیں، پلوٹارک نے یہاں کی زرخیزی کا ذکر کیا ہے یونانی مصنفین کے علاوہ ملک چین کا مشہور سیاح ہیوان چوانگ بھی ٹیکسلہ کی زمینوں کی زرخیزی، فصلوں کی عمدگی، آب رواں کی افراط، اور سبزے کی بہتات کی تعریف کرتا ہے۔

کتاب کے آخر میں ٹیکسلہ کا پیمائشی نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ مشرقی سلسلۂ کوہ کی ایک چپٹی اور ڈھلواں (چونے کے پتھر کی) پہاڑی جسکا مغربی سرا ہتھیال کے نام سے مشہور ہے۔ وادی کے گوشۂ مشرق شمال مشرق سے مغرب جنوب مغرب کو جاتی اور وادئ مذکور کے شرقی حصے کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرتی ہے۔ ان میں سے شمالی نصف کو متعدد نہریں، جو دریائے ہرو کے بالائی حصے سے کاٹ کر لائی گئی ہیں، سیراب کرتی ہیں۔ اور اس لئے یہ حصہ آجکل

اور موٹائی ۵اسے ½۱۲ فٹ تک ہے۔ دیواروں کی اندرونی اور بیرونی جانبی ربل بنوٹے کی ہے۔ جس میں چھوٹے ٹکڑے ور پتھر استعمال کیے گئے ہیں یہ طرز تعمیر دیگر یونانی اور شاکا پہلوی عمارات کی طرز سے ملتی جلتی اور ان کی طرح ناپائیدار ہے۔ استحکام کی خاطر فصیل کی بیرونی جانب برج بنائے گئے ہیں جن کا سطحی نقشہ جہاں تک دیکھا گیا ہے شکل مستطیل ہے (دیکھئے صفحہ ۱۹)

جس مسطح الراس پہاڑی کا ذکر اوپر آیا ہے اسکے محل وقوع اور عام نقشے کو بالامعان دیکھنے سے خیال ہوتا ہے کہ قدیم شہر سرکپ کا ارک قلعہ اغلباً اسی کے اوپر واقع تھا۔ اگرچہ ممکن ہے کہ وہ تمام رقبہ بھی جو ہتھیال کی شاخوں کے درمیان ہے، نیز وہ قطعۂ زمین جو ان شاخوں کے اور پہاڑی مذکور کے مابین واقع ہے خاص طور پر محفوظ کر لیا گیا ہو اور اسکے گرد بھی ایک مضبوط چار دیواری بنائی گئی ہو کہ محاصرے کے وقت جائے پناہ کا کام دے سکے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندرونی فصیل قلعے کے شمال میں ہتھیال کی شمالی شاخ کے دامن کے ساتھ ساتھ کھینچی گئی تھی اور اندرونی قلعے میں داخل ہونے کے لیے صرف ایک دروازہ رکھا گیا تھا جو دونوں پہاڑیوں کے درمیان نشیب جگہ پر واقع تھا

شہر سرسکھ ٹیکسلہ کا تیسرا شہر جو آجکل سرسکھ کے نام سے مشہور ہے شہر سرکپ کے شمال مشرق میں لنڈی نالے کے پار واقع ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاہان کشان، اور ان میں سے غالباً راجہ کنشک نے اس شہر کو آباد کیا تھا۔ شہر کا نقشہ قریب قریب متوازی الاضلاع شکل کا ہے اور فصیل کا دور تین میل سے کچھ کم ہے[1]۔ فصیل کی دیواریں مضبوط اور ۱۸ فٹ سے بھی کچھ زیادہ موٹی ہیں۔ اور

[1] ہوان چوانگ (سنہ ۶۲۹ تا ۶۴۵ عیسوی) لکھتا ہے کہ اسکے زمانہ میں شہر سرسکھ کا محیط صرف دس لی یعنی ½۱ میل تھا۔ ممکن ہے کہ بمرور ایام شہر کا کچھ حصہ غیر آباد ہو کر اس کا محیط کم ہو گیا ہو

بنا لیا تھا جو آج کل سرکپ کے نام سے مشہور ہے۔

شہر سرکپ یہ دوسرا شہر یعنی سرکپ، ہتھیال کی مغربی شاخوں پر اور ایک صحیح الحدود میدان مرتفع پر واقع ہے جو ہتھیال کی شمالی جانب ہے، ابتدائً بابر خانہ یا کچا کوٹ بھی جس کا ایک حصہ تمرا نالے کے ایک گھوم کے اندر اسوقت تک موجود ہے، سرکپ کی حدود میں شامل تھا۔ کچے کوٹ کی وجہ تسمیہ وہ خام فصیل ہے جو اس رقبہ کے گرد بنی ہوئی ہے۔ سرکپ کی اندرونی شہر پناہ پتھر کی ہے اور زمانہ مابعد میں یعنی اول صدی قبل مسیح کے نصف کے قریب کسی ابتدائی ہندی پہلوی بادشاہ غالباً عزیز اول نے بنوائی تھی۔ اس کے مغربی ضلع کی دیوار اکثر مقامات پر باہر کو نکلی ہوئی یا اندر کو دبی ہوئی ہے۔ لیکن شمالی اور شرقی دیواریں بالکل سیدھی ہیں۔ شرقی ضلع کی فصیل میدان مرتفع کے جنوب مشرقی گوشہ سے (یعنی شہر پناہ کے مشرقی دروازے سے آگے یا جنوب کو) سیدھی ہتھیال کی ایک شاخ کے ڈھلواں پہلو پر ہوتی ہوئی ایک چھوٹی سی وادی میں سے گذرتی ہے اور ایک اور پہاڑی اور نشیب کو عبور کرکے ہتھیال کی تیسری شاخ پر چڑھ جاتی ہے جو جنوبی حصے میں سب سے اونچی پہاڑی ہے۔ یہاں سے یہ دیوار مغرب کو مڑتی اور پہاڑی کے پہلو پر سے گزرتی ہوئی اسکے مغربی کونے میں اترتی ہے اسکے بعد دفعتہً شمال اور پھر مغرب کو مڑکر، اور تمرا نالے کے قریب ایک بلند ٹیلے کو احاطہ میں لے کر، شمال کو مڑتی ہے۔ اور آخر کار میدان کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتی ہوئی فصیل کی شمالی دیوار سے آملتی ہے۔ اس طرح ہتھیال کی تین چٹیل اور ڈھلواں پہاڑیاں، اور ایک مسطح الراس پہاڑی جو مذکورہ بالا ٹیلے سے بتدریج بلند ہوتی ہے، اور وہ تمام میدان جو ان پہاڑیوں کے شمال میں واقع ہے۔ سرکپ کی فصیل کے احاطہ میں شامل ہیں۔ فصیل کا محیط قریباً چھ ہزار گز

فصیل کے ایک حصّہ پر واقع ہیں۔

(۲) اسی سلسلۂ کوہ میں چند میل مشرق کو موہڑہ مُرادو، پپلا، اور جولیاں کے ستوپے اور خانقاہیں۔

(۳) شمالی وادی میں بادلپور اور لال چک کے ستوپے اور خانقاہیں۔

(۴) بچے کوٹ کے شمال میں موضع جنڈیال کے قریب دو بڑے بڑے ٹیلے۔ ان میں ایک ٹیلے پر ایک وسیع مندر بنا ہے جسکے متعلق یہ باور کرنے کے وجوہ ہیں کہ غالباً آتش پرستی کے لیے مخصوص تھا۔ ٹیلوں سے چند سو گز جانب شمال دو شکستہ ستوپے ہیں۔ جو غالباً جین مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اہل بُودھ ہی سے انکا تعلق ہو۔

(۵) ٹیکسلہ کی شمالی حد پر جو پہاڑیاں ہیں۔ ان کی سب سے آخری شاخ پر ایک بڑا ستوپہ بھلّر ٹوپ کے نام سے مشہور ہے یہ ستوپہ ایک بلند مقام پر واقع ہے اور دُور دُور سے نظر آتا ہے۔

ان آثار کے علاوہ ٹیکسلہ کی وادیوں میں اور اس کی پہاڑیوں پر اور بھی بہت سی قدیم عمارتوں کے آثار منتشر ہیں۔ لیکن جن مقامات پر کھدائی کی گئی ہے ان میں سے زیادہ مشہور صرف مقامات مذکورہ بالا ہیں۔ اسلیئے دیگر مقامات کے متعلق کچھ لکھنا غیر ضروری سا معلوم ہوتا ہے۔

جنوبی اور مشرقی دیواروں کے بعض حصے اسوقت بھی بہت اچھی حالت میں ہیں۔ فصیل کی رُوکار کی چُنائی بڑے دو پارہ نمونے کی ہے جس میں بڑے بڑے پتھروں کے درمیان پتھروں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیں دی ہوئی ہیں۔ یہ طرز اواخر عہد پہلوی یعنی اول صدی عیسوی کے نصف کے قریب رائج ہوئی تھی۔ استحکام کے لیے فصیل کی بیرونی جانب گول بُرج بنے ہوئے ہیں[1] جن کا باہمی فاصلہ قریباً ۹۰-۹۰ فٹ ہے۔ آج کل اس شہر کی فصیل کے اندر اور ان قدیم کھنڈرات پر جنکے نشان جابجا مکانوں کے قریب پرانے ملبے میں نظر آتے ہیں، تین چھوٹے چھوٹے گاؤں میرپور، توفکیاں اور پنڈ گاکھڑا آباد ہیں۔

شہروں کے باہر آثار ٹیکسلہ کے ان تین شہروں یعنی بھڑ، سرکپ اور سرسکھ کے علاوہ پیروان بودھ مذہب کے بنائے ہوئے ستوپوں، خانقاہوں اور بہت سی قدیم عمارتوں کے آثار بھی ان کے نواح میں اور خاصکر وادی کے جنوبی نصف میں اور تمرا نالے کے قریب کی خشک پہاڑیوں پر کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان عمارات میں سب سے نمایاں دھرمراجیکا ستوپہ ہے جس کا مقامی نام چیر ٹوپ ہے۔ چیر ٹوپ کی وجہ تسمیہ ستوپہ مذکور کے وسط میں وہ بڑا چیر یا شگاف ہے۔ جو کسی سابق محقق نے اس ستوپے میں کھدائی کرکے کیا تھا۔ وادی کے شمالی نصف حصہ میں اور ہتھیال کی شاخوں کے درمیان اہل بودھ کی اور بہت سی آبادیوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ جن میں سے ذیل کے چھ مقامات سے، جن کی کھدائی اس وقت تک ہو چکی ہے، نہایت دلچسپ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔

(۱) ستوپہ و خانقاہ کنال جو ہتھیال کی شمالی شاخ اور سرکپ کی قدیم

---

[1] جنرل کننگھم کا بیان ہے کہ یہ برج شکل میں مربع ہیں اور انکا باہمی فصل ۱۲۰ فٹ ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں

(جنہے ٹیکسلہ کو فتح بھی کیا تھا) کی مشہور سانپ کی قربانی کے حال میں ٹیکسلہ کا ذکر آتا ہے۔ اسکے بعد پانچویں صدی قبل مسیح کے آغاز کے قریب ٹیکسلہ کا صوبہ غالبًا ایران کی ہنجامنشی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ کیونکہ دارا بادشاہ ایران کے جو کتبے اصطخر کی عمارات پر اور نقش رستم میں دارا کی قبر پر کندہ ہیں ان میں ایک نئے ہندی صوبے کا ذکر ملتا ہے جس کو سلطنت کے تمام صوبوں سے زیادہ آباد اور زرخیز کہا گیا ہے۔ یہ صوبہ ایریا، ارکوسیا اور گنداریا سے بالکل جدا اور مختلف ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ اغلبًا پنجاب کے اس علاقے کا اکثر حصہ جو دریائے اٹک کے مشرق میں واقع ہے۔ نیز تمام ملک سندھ اس صوبہ میں شامل تھا۔[1] ٹیکسلہ میں ایرانی اثر کی ایک دلچسپ یادگار ایک آرامائی کتبے کی صورت میں ملی ہے جو تیسری صدی قبل مسیح میں غالبًا کسی بڑے سرکاری عہدہ دار کی یادگار کے طور پر قایم کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۱) بودھ مذہب کی کتاب جاتکا[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسلہ اسوقت ایک یونیورسٹی تھی جو علوم وفنون مروجہ کی تعلیم میں چند صدیوں تک شہرۂ آفاق رہی۔ اور یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ چندرگپت موریا کا مشہور برہمن وزیر چانکیا ٹیکسلہ میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن ان چند امور سے قطع نظر کی جائے تو یونانی حملے سے قبل ٹیکسلہ کی تاریخ

---

[1] اگرچہ بعض جاتکا قصوں میں ٹیکسلہ کو صوبہ قندہار کا دارالسلطنت بتایا گیا ہے۔

[2] اہل بودھ کی پالی زبان میں لکھی ہوئی کتاب جس میں گوتم بدھ کے گذشتہ جنموں کے ۵۵۰ قصے درج ہیں اہل بودھ بھی ہنود کی طرح تناسخ کے قائل تھے۔ اور انکا عقیدہ ہے کہ راجہ سدھودن کے محل میں پیدا ہونے سے پہلے گوتم ملکی جانی انسانی حیوانی غرض ہر جاندار مخلوق کی شکل میں جنم لے چکا تھا۔

باب ۲

تاریخی حالات

باوجود اس شوکت و ثروت کے جو ٹیکسلہ کو ایّامِ قدیم میں حاصل تھی اس کی تاریخ کے متعلق ہماری معلومات نہایت ہی قلیل اور زیادہ تر یا تو یونانی اور چینی مصنفین کی تحریروں پر مبنی ہیں یا سکّوں اور چند نایاب کتبوں کی مدد سے نہایت عرقریزی کے ساتھ فراہم کیگئی ہیں۔ شہر کا اصلی نام تکّہ سِیلا یا تکھشِیلا (سنسکرت تکششہ شِلا) تھا[1] جس کو یونانی اور رومی مصنفین نے ٹیکسلہ کر دیا۔ شہر کی بنیاد نہایت قدیم زمانے میں رکھی گئی تھی۔ مہابھارت میں راجہ جنمے جے

---

[1] اس لفظ کے لغوی معنی غالباً "ترشے ہوئے پتھروں والا شہر" ہیں۔ تبتی زبان میں ٹیکسلہ کا نام روڈو جیگ ہے۔ جس کے معنے ہیں "ترشا ہوا پتھر" چینی سیاح فاہیان اس شہر کو چو شا شیلو (لغوی معنی کٹا ہوا سر) کہتا ہے۔ اور اس کی توضیح اس طرح کرتا ہے کہ گوتم بدھ نے اس مقام پر اپنا سر بطور خیرات نذر کر دیا تھا۔

امداد کے معاوضے میں سکندر نے آمبھی کو ٹیکسلہ میں بحال رکھنے کے علاوہ مفتوحہ علاقے کا ایک حصہ بھی اس کو عطا کیا۔ اور راجہ پورس سے اس کی صلح کرا دی جس سے آمبھی کی حکومت کو مزید تقویت حاصل ہوئی۔

سکندر کا شمال مغربی ہندوستان کو فتح کرنا بذات خود ایک نہایت عظیم الشان کارنامہ تھا۔ مگر اس فتح کا اثر نہایت قصیر العمر ثابت ہوا۔ سکندر کی خواہش تھی کہ مفتوحہ علاقے کو ہمیشہ کے لیے اپنی وسیع یونانی سلطنت میں شامل کر لے۔ چنانچہ اس نے قلعوں میں قلعہ گیر فوجیں متعین کر کے جا بجا یونانی نوآبادیاں بھی قائم کیں لیکن اس کی وفات کو، جو ۳۲۳ قبل مسیح میں واقع ہوئی، پانچ برس بھی نہ گذرے تھے کہ مفتوحہ علاقے کا یونانی حاکم یوڈیمس اپنی تمام فوج کو جمع کر کے اینٹی گونس کے خلاف یومے نیز کی امداد کرنے کے لیے دادی اٹک کو چھوڑ گیا اور قریباً اسی وقت یا شاید اس سے بھی کچھ پہلے چندرگپت نے یونانی افواج کو دریائے اٹک کے پار بھگا کر ٹیکسلہ اور پنجاب کی دیگر ریاستوں کو سلطنت مگدھ میں شامل کر لیا۔

سلیوکس نکیٹر اور سلجوق فاتح — اگرچہ ۳۰۵ قبل مسیح کے قریب سلجوق نے یونانی مقبوضات کو دوبارہ فتح کرنے کی کوشش کی لیکن اس عارضی اور کمزور حملے سے کوئی مفید نتیجہ نکلنے کی بجائے سلجوق کو نہایت جلدی ہی فی الفور صلح کرنی پڑی۔[۱]

---

[۱] جس صلحنامہ کے مطابق سلجوق نے صرف پانچسو ہاتھیوں کے عوض تمام یونانی علاقہ چندرگپت کے حوالہ کر دیا۔ اسکے نہایت عجلت میں طے ہونے کی چند وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ سلجوق کو مغربی جانب سے اینٹی گونس کا خطرہ تھا۔ دوم یہ کہ چندرگپت نے ایسا سخت مقابلہ کیا کہ سلجوق کو اسکا خیال بھی نہ تھا علاوہ ازیں سلجوق کو اس امر کا بھی یقین تھا کہ علاقہ متنازعہ پر دوامی قبضہ رکھنا عملاً ناممکن ہوگا

کے متعلق ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ۔

سکندر اعظم

سکندر اعظم کے حملے کے حالات اسکے مصاحبین یا معاصرین نے قلمبند کیے تھے ان میں سے جو اوراق دستبرد زمانہ سے بچکر ہم تک پہونچے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پنجاب میں ۳۲۶ قبل مسیح کے موسم بہار میں داخل ہوا اور ٹیکسلہ کی سلطنت بغیر جنگ و جدال کے اسکے حوالہ کر دیگئی۔ اور اس نے چند ہفتے یہاں قیام کرکے راجہ پورس پر حملہ کرنے کی تیاریاں کیں اسوقت سلطنت ٹیکسلہ کی حدود ایک طرف دریائے اٹک اور دوسری طرف دریائے جہلم سے ٹکراتی تھیں۔ دارالسلطنت خوب آباد تھا، مال و دولت کی افراط تھی۔ اور حکومت اچھی تھی۔ تعدد ازدواج اور رسم ستی کا عام رواج تھا، نادار لڑکیاں جن کی شادی افلاس کی وجہ سے نہ ہوسکتی برسر بازار بیچ دی جاتیں۔ اور مُردوں کی لاشیں گِدھوں کے لیے میدان میں پھینک دی جاتی تھیں۔ راجہ آمبھی (والی ٹیکسلہ جس کو یونانیوں نے آمفیز اور ٹیکسائلز یعنی ٹیکسلہ والا) لکھا ہے اپنے پڑوسی راجہ ابھی سار کی پہاڑی ریاست اور راجہ پورس[1] کی طاقتور سلطنت سے جو جہلم کے جنوب میں واقع تھی برسرپیکار تھا۔ چنانچہ اسکے خلاف حملہ آور شہنشاہ کی امداد حاصل کرنے کی امید پر ہی اس نے سکندر اعظم کے پاس اُٹک۔ اُدبھانڈ میں اپنا ایک وفد بھیجا، اپنی تمام فوج ٹیکسلہ سے لے جاکر بذات خود سکندر کے حوالے کی، اس کو ٹیکسلہ لاکر نہایت دریادلی سے اس کی مہمانداری اور خاطر مدارات کی، اور انجام کار جب سکندر نے پورس پر حملہ کیا تو پانچہزار جوانوں کی جرار فوج بھی شہنشاہ یونان کے ہمراہ بھیجی ۔ اس خیرخواہی اور دوستانہ

---

[1] یعنی پوروں کا سردار۔ پورو اسوقت کوئی قوم ہوگی

ہوئے جنہیں موریا سلطنت کے زوال نے مشرق کی جانب بڑھنے کی ہمت دلائی تھی۔ یہ حملہ آوران یونانیوں کی اولاد تھے جن کو سکندر اعظم نے باختر میں آباد کیا تھا۔ مگر ان کی حالت پنجاب کی نوآبادیوں سے بالکل مختلف تھی۔ کیونکہ نوآبادی کے قیام سے اس حملہ کے وقت تک یہ لوگ وہاں کے مستقل باشندے بنکر میدان ترقی میں برابر سرگرم رہے تھے۔ اس طرح گو سکندر کے ملک پنجاب کو فتح کرنے سے ہندوستان پر کوئی مستقل یونانی اثر نہیں پڑا۔ لیکن پنجاب کے آس پاس کے ممالک کی تسخیر شمال مغربی ہند میں یونانی تہذیب و تمدن کے قیام و ثبات کی بالواسطہ ذمہ دار ہوئی۔ باختری حملہ آوروں میں سب سے پہلے انیٹی اوکس اعظم کے داماد ڈمی میٹریس نے ۱۹۰ قبل مسیح کے قریب وادی کابل پنجاب اور سندھ کے علاقے فتح کیئے اور اسکے پندرہ بیس سال بعد یوکرے ٹائیڈز نے ڈمی میٹریس سے پہلے باختر اور پھر بعض ہندوستانی مقبوضات چھین لیے۔ جن میں ٹیکسلہ بھی شامل تھا۔ ان دو فاتحوں سے دو حریف خاندانوں کی بنیاد پڑی جنہوں نے ہندوستان میں بھی اس تنازعہ کو جس کی ابتدا باختر میں ہوئی تھی قائم اور جاری رکھا اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کے ملک پر قابض ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ ٹیکسلہ کے یونانی حکمرانوں میں سے انیٹی اُلیسی ڈس تو یوکرے ٹائیڈز کے خاندان سے اور اپالوڈوٹس بظاہر ڈمی میٹریس کے خاندان سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن پنجاب اور شمال مغربی سرحد کے دیگر کثیر التعداد یونانی بادشاہوں کے متعلق ہماری معلومات نہایت قلیل ہیں اور یقین کے ساتھ یہ کہنا نہایت مشکل ہے کہ ان میں سے کون کون سا بادشاہ ٹیکسلہ میں حکمراں رہا اور کس خاندان

لے بعض مورخین کا خیال ہے کہ اپالوڈوٹس یوکرے ٹائیڈز کا بیٹا تھا۔

جس کی شرائط کی رُو سے ہندوستان کے تمام یُونانی مقبوضات چندرگپت کے حوالے کردیئے گئے۔

خاندان موریا پنجاب کی ریاستوں کے لیے چندرگپت کی فولادی حکومت بھی یونانی حکومت سے کم سخت گیر اور تکلیف دہ نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چندرگپت کے بیٹے بندوسار کے تخت نشین ہوتے ہی ٹیکسلہ نے حکومت موریا کا جُوا اُتار پھینکا۔ اور جب تک خود ولی عہد یعنی شہزادہ اشوک پایہ تخت کے سامنے نہ آموجود ہوا شہر مذکور تسخیر نہ ہوسکا۔ اسکے بعد شہزادہ آشوک ٹیکسلہ میں نائب السلطنت مقرر ہوا اور اسنے اپنی نیابت کے زمانے میں، نیز اپنے تمام عہد حکومت میں چندرگپت کی سی سخت گیری سے کام لیے بغیر سلطنت مُوریا کی شوکت وسطوت کو شمال مغربی ہندوستان میں نہایت قابلیت کے ساتھ قایم رکھا۔ بودھ مذہب کو جو اقتدار کچھ زمانے کے بعد ہندوستان کے اس حصے میں حاصل ہوا وہ بھی بلاشبہ آشوک ہی کی بدولت تھا۔[1]

مگر آشوک کی وفات (قریباً ۲۳۱ ق م) کے بعد اہل موریا کی سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا اور ٹیکسلہ اور دیگر صوبے جو دارالسلطنت ریاٹلی پُترا یعنی موجودہ عظیم آباد (پٹنہ) سے دور دراز فاصلے پر واقع تھے، خودمختار ہوگئے۔

باختری یونانی اور کچھ عرصے کے بعد باختری یونانیوں کے تازہ حملوں کے شکار

---

[1] ہوان چوانگ نے اس مضمون کی ایک روایت بیان کی ہے کہ ملک ختن میں اول اول وہ لوگ آباد ہوئے تھے جن کو شہنشاہ آشوک نے اپنے بیٹے کُنال (صوبہ دار ٹیکسلہ) کے اندھا کرنے کی پاداش میں ٹیکسلہ سے جلاوطن کردیا تھا۔ شہزادہ کنال کا قصہ صفحہ ۸۵ پر بتفصیل مذکور ہے۔

سنہ عیسوی کے تیسرے عشرے کے قریب پہلوی بادشاہ قندوفر (Gondopharnes یا GONDOPHARES) نے ٹیکسلہ اور ارکوسیا کی سلطنتوں کو متحد کر کے اپنے زیر نگیں کر لیا۔ یہ بادشاہ نہایت باوقعت اور زبردست حکمراں گذرا ہے۔ اس کی شہرت کا غلغلہ یورپ تک جا پہونچا تھا اور قدیم عیسائی تصنیفات میں مذکور ہے کہ اُسکے دربار میں طامس حواری کو بھیجا گیا تھا۔ ٹیکسلہ اور ارکوسیا کا یہ اتحاد غالباً بغیر جنگ وجدال کے عمل میں آیا۔ اس شاندار کام کی تکمیل کے بعد قندوفر وادیٔ کابل کو ملحق کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس خطے میں ایک چھوٹی سی یونانی ریاست تھی۔ اس کو اہل کشان سے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ (اہل کشان غالباً اس علاقہ میں پہلے ہی یونانیوں کو مغلوب کر چکے تھے) لیکن قندوفر کی اس وسیع سلطنت میں اتصال والتیام برائے نام ہی تھا اور اس کی آنکھوں کا بند ہونا تھا کہ مختلف صوبوں کے فرمانروا خود مختار ہو بیٹھے۔ قندوفر کے بھتیجے ابدگاسس نے پنجاب پر ہاتھ صاف کیا۔ آرتھے گنیز اور اسکے بعد پکوریز نے ارکوسیا اور سندھ پر قبضہ وتصرف جمایا اور باقیماندہ سلطنت کو دیگر چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے دبا لیا۔ جن میں سے چند کے نام ساسس، سپیڈن اور ستاوستر ہیں۔ ان حکمرانوں کے سکے ہندوستان میں پہلی مرتبہ ٹیکسلہ کی کھدائی سے برآمد ہوئے ہیں۔

پہلوی تمدن قدیم ٹیکسلہ کے دوسرے شہر یعنی سرکپ سے جو بیشمار عمارات اور چھوٹی چھوٹی قدیم اشیا کھدائی کے اثنا میں برآمد ہوئی ہیں۔ ان سے پہلوی عہد حکومت کے تمدن پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ یعنی اس وسیع سلطنت کے اخیر مشرقی صوبوں کے تمدن کی جو تصویر ان کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ قریب قریب ویسی ہی دلکش اور پر از معلومات ہے۔ جیسی کہ

سے تعلق رکھتا تھا۔

شاکا اور پہلوی | یونانیوں کی حکومت ٹیکسلا میں ایک صدی سے کچھ ہی زیادہ عرصہ رہی ہوگی کہ مغرب سے وحشی حملہ آوروں کے ایک ریلے نے ان کو بھی صاف کر دیا۔ یہ وحشی جو ہندوستان میں شاکا کے نام سے مشہور ہوئے ایک زمانہ سے فارسی یا پہلوی سلطنت کے صوبہ سیستان میں بود و باش رکھتے تھے اور وہاں کی پہلوی آبادی میں بے تکلف ملتے جلتے اور انہیں شادیاں کرتے تھے۔ سیستان سے نکلکر انہوں نے پہلے ارکوسیا اور گرد و نواح کے ممالک پر قبضہ کیا اور اسکے بعد دریائے اٹک کو عبور کر کے پنجاب کی جانب بڑھے۔ انکا ایک گروہ تو وونونیز نامی ایک پہلوی کی ماتحتی میں ارکوسیا کو فتح کر کے اسی صوبہ میں آباد ہو گیا۔ اور دوسرے گروہ نے مُعز (Maues) نامی شاکا سردار کے ماتحت مشرق کا رُخ کیا اور سلطنت ٹیکسلا کو فتح کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مُعز کو ارکوسیا میں ۹۵ سنہ ق.م کے قریب اقتدار حاصل ہوا اور دس یا پندرہ برس کے بعد وہ ٹیکسلا پہونچا۔ ۵۸ سنہ ق.م میں یا اسکے لگ بھگ عزیز اول مُعز کا جانشین ہوا۔ یہ بادشاہ ارکوسیا کے پہلوی حاکم وونونیز کے خاندان سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ اور درحقیقت نیم شاکا نیم پہلوی تھا۔ اسکے عہدِ حکومت کے متعلق ہماری معلومات بہت ہی کم ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اسکے طویل عہد حکومت میں رعایا خوش حال تھی اور شاکا خاندان کی حکومت کو دریائے جمنا تک تمام شمال مغربی ہند میں قائم اور مستحکم کرنے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔ سلطنت کے نظم و نسق میں عزیز نے قدیم ایرانی طرزِ حکومت کو اختیار کیا جو پنجاب میں پہلے سے قائم ہو چکا تھا۔ اور ملک میں جابجا مرزبان یا صوبہ دار مقرر کئے۔ عزیز کے بعد اس کے جانشین بھی اسی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔

بادشاہ ورڈے نیز کے ماتحت نہ تھا۔ بلکہ خود اس قدر ذی اقتدار تھا کہ صوبہ قندھار پر اس کو شہنشاہانہ حقوق حاصل تھے۔[1] اپالونیس شمال مغربی سمت سے ٹیکسلا آیا اور شہر میں داخل ہونے سے قبل ایک مندر میں مقیم ہوا جو فصیل کے سامنے واقع تھا۔ تذکرہ نویس نے اس مندر کا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور آگے چل کر معلوم ہوگا کہ یہ امر ممکنات میں سے ہے کہ یہ وہی مندر ہو جو موضع جنڈیال کے قریب واقع ہے اس کا بیان ہے کہ شہر سرکپ وسعت میں نینوا کے لگ بھگ اور یونانی شہروں کی طرح موزوں اور خوش اسلوب طریق پر مستحکم کیا ہوا ہے ایتھنز کی طرح اسکے گلی کوچے تنگ اور بے ترتیب ہیں، اور مکانات اگرچہ یک منزلہ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن دراصل انکے نیچے زمین دوز تہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ شہر کے بیچ میں سورج دیوتا کا مندر اور شاہی محل واقع ہیں۔ اور آخرالذکر ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نمائش سے معرا اور اپنی سادہ وضعی کے سبب خاص امتیاز رکھتا ہے یہ سادگی اس آرائش اور شان وشوکت سے بالکل مختلف تھی جس کا فلوسٹرٹیس کی آنکھوں نے دربار بابل میں مشاہدہ کیا تھا۔

فلوسٹرٹیس نے اپالونیس کے جو حالات قلمبند کیئے ہیں۔ ان کی صحت و صداقت پر زمانہ حال کے نکتہ چینیوں نے بجا طور پر اعتراض کیا ہے اور اسمیں کلام نہیں کہ جہاں اس تذکرے میں صداقت ہے وہاں بہت سی رنگ آمیزی بھی ضرور پائی جاتی ہے۔ لیکن ٹیکسلہ کے متعلق جو کچھ اسنے بیان کیا ہے۔ اس میں بہت کم ایسی باتیں ہوں گی۔ جن کی اس زمانے کی معلومہ تاریخ سے تصدیق نہ ہوتی ہو، بلکہ بعض

---

[1] یہ امر قابل ذکر ہے کہ فراٹیز کو اپنی سرحد کے وحشی قبائل کو خاموش رکھنے کے لیئے وظائف دینے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

ڈرویُوروپوس واقع مُلک شام کے آثار اس سلطنت کے مغربی صوبوں کے تمدن کے متعلق مہیّا کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ مُلک شام کا پہلوی تمدن بوجہ شامی یونانی رنگ کے اس تمدن سے بہت مختلف ہے جو پنجاب میں ملتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں قدرِ مشترک اتنی زیادہ ہے کہ پہلوی تمدن کی یکرنگی اور امتیازی خصوصیات کی یگانگت پر حیرت ہوتی ہے۔ یہ پہلوی نہ صرف اعلیٰ درجہ کے شہسوار اور قادر انداز تھے جیساکہ رومی اور ارمنی مصنفین نے انکے متعلق لکھا ہے، بلکہ نہایت مہذب، ہمیشہ ترقی کے میدان میں کوشش کرنیوالے اور جفاکش بھی تھے۔ نسلاً یہ لوگ ایرانی تھے۔ اور ایران ہی کی ایک زبان بولتے تھے۔ انکا ملک قدیم ایرانی اور میدی سلطنتوں کا ایک مستقل صوبہ رہ چکا تھا۔ اس لیئے یہ لوگ قدیم ایرانی اور بعد کی یونانی اور سلجوقی سلطنتوں کے علوم وفنون اور اُنکے تمدن و تہذیب کو وراثتاً حاصل کرچکے تھے۔ چنانچہ خاندان ارساکی کے بادشاہ اپنے سکوں پر اپنے تیئں "عاشق یونانی" لکھتے ہیں اور یہ محض شیخی نہیں کیونکہ واقع میں اُنکے دربار کی زبان یونانی تھی (جیسے ہخامنشیوں کی سرکاری زبان آرمائی تھی) اور ہر تازہ کھدائی سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی تخیل ان لوگوں کے رگ وریشے میں پیوست ہوگیا تھا۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مشرق اور مشرق وسطیٰ (یعنی ایشیائے کوچک، شام وغیرہ اور ایران) کی تجارت زیادہ تر انہی پہلویوں کے ہاتھ میں تھی اور یہی لوگ بحیرہ روم کے سواحل اور ہندوستان کے درمیان صنعتی اشیاء اور فنون لطیفہ کے خزانے لایا لے جایا کرتے تھے۔

اپالونیس رئیس طیانہ

کہتے ہیں کہ اپالونیس رئیس طیانہ پہلوی حکومت کے زمانے ہی میں (غالباً ۴۴ء میں) ٹکسلہ آیا تھا۔ اس کے تذکرہ نویس فلوسٹریٹس کا بیان ہے کہ شاہ فراٹیز جو اس وقت ٹکسلہ پر حکمران تھا۔ بابل کے پہلوی

ترتیب بہت مشکوک ہے۔ لیکن غالب خیال یہ ہے کہ کجول کیڈفائیسس نے سنہ ۶۰ء اور سنہ ۶۴ء کے درمیان پہلویوں سے ٹیکسلہ کا علاقہ چھینا، اور سنہ ۷۸ء میں ویم کیڈفائیسس اس کا جانشین ہوا[1] جسنے اپنے پیشرو کی سلطنت کو مستحکم کر کے مزید فتوحات سے اس کو وسعت دی۔ اس بے نام ونشان بادشاہ کے سکے جو عام طور پر سوٹر میگس کے نام سے مشہور ہے غالباً اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ وہ بادشاہ ویم کیڈفائیسس ہی ہو۔ دوسری صدی عیسوی میں شاہ کنشک سریر آرائے سلطنت ہوا۔ یہ بادشاہ نہایت زبردست اور باعظمت گزرا ہے اور اہل کشان میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کے بعد ہوشک[2] اور واسدیو بھی بڑے پایے کے بادشاہ ہوئے ہیں۔ کنشک نے اپنا سرمائی دارالسلطنت پرشپور یعنی موجودہ پشاور مقرر کیا اور اپنی سلطنت کو اس قدر وسعت دی کہ وسط ایشیا سے حدود بنگالہ تک تمام ملک زیر نگیں کر لیا۔ کنشک کی یہ سلطنت اسکے چند قریبی جانشینوں کے عہد حکومت تک تو جوں کی توں صحیح وسالم رہی۔ لیکن واسدیو کی وفات کے بعد، جو غالباً تیسری صدی عیسوی کے پہلے نصف حصے میں واقع ہوئی، بتدریج اہل کشان کی سلطنت کا زوال شروع ہو گیا۔ اور اگرچہ

---

[1] بعض افاضل کی رائے ہے، اور ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو، کہ ویم نے سنہ ۶۰ء اور سنہ ۶۴ء کے مابین ٹیکسلہ فتح کیا اور سنہ ۷۸ء میں کنشک اس کا جانشین ہوا۔

[2] کیڈفائیسس ثانی یعنی ویم اور کنشک کے عہد حکومت کے درمیان میرے خیال میں کچھ زمانہ ایسا گزرا ہے، جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ اس وقت کون بادشاہ برسر حکومت تھا۔

جزئیات کی تو میری تحقیقات سے بھی پُر زور تائید ہوتی ہے۔ پس یہ استنباط قرین عقل ہے کہ اپالونیس نے ٹیکسلہ تک کا سفر ضرور کیا اور یہ کہ فلوسٹریٹس کو اس کے ہمراہی ڈیمس کی یادداشتوں پر دسترس حاصل تھی۔ یہ یادداشتیں اس حد تک توصیح تھیں جہاں تک کہ ڈیمس کے ذاتی مشاہدات کا ان سے تعلق تھا اگرچہ انہیں بھی سنے سنائے قصوں سے رنگ آمیزی کی گئی تھی۔ لیکن یہ غیر اغلب نہیں، کہ فلوسٹریٹس نے اپنی داستان کو فروغ دینے کے لیے اس میں بہت سی کہانیاں قدیم یونانی تصنیفات سے بھی چن کر شامل کر لی ہوں۔

اہل کشان

خیر ہم ٹیکسلہ کی تاریخ کا ذکر کر رہے تھے۔ ہندی پہلوی سلطنت کے زوال نے اہل کشان کے لیے اپنی کھوئی سلطنت یعنی وادی کابل واقع افغانستان کے دوبارہ حاصل کرنے اور ملکہ قندہار اور پنجاب کو بھی فتح کر کے اپنی سلطنت کی توسیع کرنے کا ایک نادر موقع پیش کیا۔ اور انہوں نے اس موقع کو غنیمت جان کر ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہ کشان اس قوم کی ایک شاخ تھے جنکو چینی مورخین نے یوئے چی لکھا ہے۔[1] اور اصل میں چین کے اخیر شمال مغربی حصے کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۱۷۰ ق۔م۔ کے قریب یہ لوگ چین کے مغرب کی جانب نکالے گئے۔ جہاں انھوں نے پہلے باختر پر قبضہ کیا، پھر اس خطے پر جو وادی سیحون کے نام سے مشہور ہے۔ اسکے بعد وادی کابل پر تسلط جمایا اور آخر کار شمالی ہند کے تمام میدانوں پر چھا گئے۔ اس زمانہ کے واقعات کی تاریخ

---

[1] یوئے چی کو عموماً کشان کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے بادشاہ سب کے سب قبیلہ کشان سے تھے۔

ہوان چوانگ ساتویں صدی عیسوی میں یہاں آیا تو اس نے دیکھا کہ ٹیکسلہ سلطنت کشمیر کا صوبہ بن چکا ہے، مقامی سردار آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں، اور بہت سی عبادتگاہیں تباہ اور برباد ہو چکی ہیں[1]۔

تحقیق آثار قدیمہ بزمانہ حال موجودہ کھدائی سے قبل، جو مصنف کے زیر نگرانی عمل میں آئی ہے ٹیکسلہ کے آثار کی تحقیق و تفتیش کے متعلق بہت کم حالات معلوم ہیں۔ جس طرح اس خطۂ ملک میں اور بہت سی قدیم عمارات شائقین آثار قدیمہ اور متلاشیان خزانہ کی لوٹ کھسوٹ کی آماجگاہ بنی رہی ہیں، اسی طرح ٹیکسلہ پر بھی ہاتھ صاف ہوتے رہے ہیں۔ قسم اول میں **میجر پیرس میجر کراکرافٹ** ڈپٹی کمشنر راولپنڈی اور **مسٹر ڈلمرک** جیسے حضرات شامل ہیں۔ قسم دوم میں بدترین مجرم موضع ڈھیری شاہاں کا ایک سقا **نور** نامی تھا۔ ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۰ء تک اس شخص کا یہ دستور رہا کہ گردو نواح کے چھوٹے چھوٹے ستوپوں میں کھدائی کرتا اور ان میں سے قدیم چیزیں نکال کر ملازمان سرکار یا عجائبات قدیمہ کا لین دین کرنے والے اشخاص کے ہاتھ فروخت کر دیتا۔ موضع جنڈیال کے قریب اس شخص کو ایک ستوپے میں سے ایک سونے کا پترا ملا تھا۔ جس پر کچھ عبارت کندہ تھی۔ علاوہ ازیں اس نے اور بھی بہت سی عمارتوں کو انکے تبرکات سے محروم کیا۔ قدیم شہر ٹیکسلہ سے اس مقام کی مطابقت ۱۸۶۳ء میں اسوقت قائم ہوئی جب جنرل کننگھم نے اپنی توجہ ان آثار کیطرف مبذول کی۔ جنرل موصوف کو یہ گمان اول اول ان جغرافیائی علامات کی بنا پر ہوا تھا جو قدیم مورخین کی کتابوں سے ملی تھیں اور جب موضع **شاہ پور** کے نزدیک ایک ستوپے میں چند دیہاتیوں کو پتھر

---

[1] ہوان چوانگ نے یہاں کے جن آثار قدیمہ کا حال لکھا ہے وہ صفحہ ۸۳ پر مذکور ہیں۔

پنجاب میں ان کی حکومت پانچویں صدی عیسوی تک رہی۔ لیکن افتائیلیوں یعنی سفید ہنوں کے ایک زبردست حملے نے اس صدی میں ان کو پنجاب سے بھی صاف کر دیا۔[1]

سنہ ۴۰۰ء میں چینی سیاح فاہیان نے ٹیکسلہ آکر بودھ مذہب کے مقدس مقامات کی زیارت کی مگر بدقسمتی سے اسکے مفصل حالات قلمبند نہیں کیے۔ تاہم ہندوستان کے اس حصے کے مقامات کے متعلق جو کچھ اسنے لکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی آمد کے وقت شمال مغربی ہندوستان میں بودھ مذہب کی بڑی بڑی مشہور زیارتگاہیں نسبتہً آباد اور آسودہ حال تھیں۔ اور جس حالت میں یہ عمارتیں آج کل زمین سے برآمد ہو رہی ہیں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ:۔

اہل ہُن کے ہاتھوں ٹیکسلہ کی تباہی!

ٹیکسلہ کی عمارات اس صدی کے دوران میں کس بیدردی اور بے جگری سے تباہ و برباد کی گئی ہوں گی۔ اس تباہی اور بربادی کے ذمہ دار یقیناً وحشیوں کے وہ گروہ تھے جو سفید ہُن کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ سنہ ۴۵۵ء کے بعد روزافزوں لاؤلشکر کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے۔ اور جہاں گئے وہاں کی آبادی کو تہ تیغ بیدریغ کیا اور عمارات کو جلا کر تودہ خاک بنا دیا۔ الغرض انھوں نے سلطنت کشان کو اپنے قبضہ و تصرف میں لانے کے بعد خاندان گپتا کی عظیم الشان سلطنت کا شیرازہ بھی بکھیر دیا۔

ہوان چوانگ

اس صدمہ عظیم کے بعد ٹیکسلہ پھر کبھی نہ پنپ سکا۔ اور جب

---

[1] سلطنت کشان کا زوال غالباً کسی ساسانی حملہ کی وجہ سے جلد مکمل ہوا جسکا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ ٹیکسلہ میں بہت سے ساسانی سکے کھدائی سے برآمد ہوئے ہیں۔

۵۵۸ تا ۵۲۹ قبل مسیح	ایران کی ہخامنشی سلطنت کے بانی کُورُش کا عہد حکومت
۵۲۷ یا ۴۶۷ ؍؍	مہابیر، بانی جین مذہب کی وفات
۵۲۲ تا ۴۸۶ ؍؍	دارائے گشتاسپ شاہ ایران۔ ٹیکسلہ اور شمال مغربی ہند کا ایرانی سلطنت میں الحاق (قریباً ۵۱۸ قبل مسیح)۔ سکائی لیکس رئیس کُرینڈا کا (۵۱۷ ق م میں) دریائے اٹک کے زیریں رستے کو تحقیق کرنا۔
۴۸۶ تا ۴۶۵ ؍؍	خشیارشاہ بادشاہ ایران
۴۸۳ ؍؍	بدھ کی وفات یا مہاپرنروان یعنی کامل نجات
۳۲۶ ؍؍	سکندر اعظم کا ٹیکسلہ کے فرمانروا راجہ آمبھی سے حلف اطاعت لینا اور بعد ازاں راجہ پورس کو جہلم پر شکست دینا
۳۲۳ ؍؍	شہر بابل میں سکندر اعظم کی وفات
۳۲۱ ؍؍	مقام ٹری پارڈاسوس پر سلطنت مقدونیہ کی دوبارہ تقسیم۔ بابل، شام اور ایران کا سلجوق کے حصے میں آنا سلجوق کا آمبھی کو ملک جہلم کا اور پورس کو علاقہ دریائے اٹک زیریں کا بادشاہ تسلیم کرنا۔
۳۱۷ ؍؍	یوڈیمس کا وادی سندھ سے کنارہ کشی کرنا اور چندرگپت بانی خاندان موریا کا پنجاب کو فتح کرنا۔
۳۱۲ ؍؍	یکم اکتوبر، سلجوقی سن کا اجرا
۳۰۵ - ۳۰۳ ؍؍	سلجوق کا ہندوستان پر حملہ آور ہونا اور چندرگپت سے شکست کھانا
۳۰۰ (قریباً) ؍؍	سلجوق کے سفیر میگستھنیز کا دربار چندرگپت میں تقرر۔
۲۹۸ ؍؍	بندوسار موریا کی تخت نشینی۔ اسکے بیٹے اشوک کا ٹیکسلہ

کا ایک برتن ملا جس پر لکھا تھا کہ "یہ ستوپہ ٹیکسلہ میں تعمیر کیا گیا ہے" تو جنرل موصوف کے خیال کی بخوبی تصدیق ہو گئی۔ مگر کننگھم کی تحقیق جو ۱۸۶۳-۶۴ء اور ۱۸۷۲-۷۳ء کے سرمائی موسموں میں عمل میں آئی، ہتھیال، جنڈیال، موہڑہ ملھیاران اور سیری کے پنڈ کے قریب چند ٹیلوں میں یا شہر سرکپ کے شمال مغربی گوشے میں چند مقامات کی سطحی کھدائی تک محدود رہی۔ چنانچہ اُنکے دریافت کردہ مقامات میں اگر کوئی جگہ قابل توجہ ہے تو وہ موہڑہ ملھیاران کے متصل دو چھوٹے چھوٹے مندر ہیں جن میں سے ایک اس لیئے قابل ذکر ہے کہ وہ یونان کی آیونی طرز کے ستونوں سے مزین تھا۔ ان کھدائیوں کے مفصل حالات جنرل کننگھم کی رپورٹہائے بابت ۱۸۶۳-۶۴ء و ۱۸۷۲-۷۳ء میں منضبط ہیں۔ ۱۸۷۳ء کے بعد آس پاس کے دیہاتیوں نے ان تاریخی مقامات سے اور بہت سی اشیاء خورد برد کیں اور بیشمار عجائبات یہاں سے نکلکر راولپنڈی کے صرافوں کے پاس جا پہونچے۔ لیکن ان بے ترتیب کارروائیوں سے بجز تلاش خزانہ کے اور کوئی مقصد کھودنے والوں کے پیش نظر نہ تھا اور ان قدیم اشیاء کی کوئی تفصیل ہمیں ملتی ہے جو ان کھنڈروں سے برآمد ہوئی تھیں۔

۱۹۱۳ء سے ۱۹۳۳ء تک بیس سرمائی موسموں میں جو کھدائی کا کام مصنف کے زیر اہتمام ٹیکسلہ میں ہوا ہے۔ اس کی مفصل اور باتصویر روئداد محکمے کی سالانہ رپورٹوں اور تذکروں میں شائع ہو چکی ہیں۔

ٹیکسلہ کے متعلق مشہور تاریخی واقعات

۵۶۳ - ۵۶۲ قبل مسیح۔ | سدھارتھ یا شاکی منی گوتم بدھ کی ولادت

۵ (تقریباً) قبل مسیح		عزیز ثانی کی تخت نشینی
۲۰ - ۳۰	عیسوی	پہلوی بادشاہ قندوفر کا ارکوسیا اور ٹیکسلہ کو متحد کرنا
۳۵ (ق)	"	قندوفر کا وادی کابل کو فتح کرنا۔
۴۰	"	قندوفر کے دربار میں طامس حواری کا آنا
۴۴	"	اپالونیس رئیں طیانہ کا ٹیکسلہ میں آنا۔ فرائیٹز شاہ ٹیکسلہ کا زمانہ۔
۵۰ - ۶۰	"	قندوفر کی وفات اور مختلف پہلوی شہزادوں مثلاً ابدگاسس، آرتھیگنیز، پکوریز وغیرہ کے مابین سلطنت کی تقسیم۔
۶۰ - ۶۵ (ق)	"	کجول یا ویم کیڈفائیس کا وادی کابل کو دوبارہ فتح کرنا اور بعدازاں ملک قندہار و ٹیکسلہ کو ملحق کرنا۔
۷۸	"	سن شاکا کا اجرا۔ یہ غالباً سلطنت کشان کے آغاز کی تاریخ ہے جس کو ویم کیڈفائیس یا بقول بعض کنشک نے ہندوستان میں قائم کیا۔
۱۰۰	"	سوٹرمیگس کا زمانہ
۱۲۵	"	کنشک کشان کی تخت نشینی کی اغلب تاریخ۔ شہر سرسکھ کی بنیاد پڑنا۔
۱۴۶	"	ایرین مصنف انڈیکا کا زمانہ
۱۷۰	"	ہوشک کی تخت نشینی۔
۱۸۷	"	واسودیو " " "
۲۲۵	"	واسودیو کی وفات اور سلطنت کشان کا زوال

		میں نائب السلطنت مقرر ہونا۔ اور سلجوق کے سفیر ڈی میکس کا پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) میں آنا۔
۲۷۴ قبل مسیح		شہنشاہ آشوک کی تخت نشینی
۲۵۰ (قریباً)	؍؍	باختر اور فارس کا اعلان خودمختاری
۲۳۲	؍؍	آشوک کی وفات اور سلطنت موریا کے زوال کا آغاز
۱۹۰ (ق)	؍؍	ڈیمیٹریس والئ باختر کا پنجاب کو فتح کرنا۔
۱۷۵ - ۱۷۰	؍؍	یوکرے ٹائیڈز کا ڈیمیٹریس سے پہلے باختر اور اسکے بعد پنجاب چھین لینا۔ شہر سرکپ کی بنا پڑنا۔
۱۳۹ (ق)	؍؍	متھری ڈیٹیز شاہ فارس کے ہاتھوں سلطنت باختر کی پائمالی۔
۱۳۰ (ق)	؍؍	ٹیکسلہ میں اینٹی الکی ڈس کی حکومت ہیلیوڈورس کا وسط ہند میں وِدِشا (موجودہ بھلیسہ واقع ریاست گوالیار وسط ہند) کے راجہ کے دربار میں بطور سفیر بھیجا جانا
۱۲۳ - ۸۸	؍؍	متھری ڈیٹیز ثانی (یا اعظم) شاہ فارس
۸۵ - ۸۰	؍؍	شاکا بادشاہ معز کا ارشکیس کے عہد حکومت کے بعد ٹیکسلہ کو فتح کرنا۔
قریباً ۷۲ (؟)	؍؍	لیاک کشولک صوبہ دار کا زمانہ
۵۸ (ق)	؍؍	سن بکرمی کا اجراء۔ اسی زمانے کے قریب عزیز اول کا معز کی جگہ تخت نشین ہونا اور اسکے بعد ازلی سیز اور عزیز ثانی کی تخت نشینی
۴۰	؍؍	راجوُل صوبہ دار جو بعد میں متھرا کا سرصوبہ بنا۔

اسماء الرّجال

ابدگاسس	Abdagases.
سکندرِ اعظم	Alexander.
اینٹی السی ڈس	Antialcidas.
اینٹی گونس	Antigonus.
افروڈائٹ	Aphrodite.
اپالو	Apollo
اپالوڈوٹس	Apollodotus.
اپالونیس رئیس طیانہ	Apollonius of Tyana
اردشیر بابکان	Ardshir Babegan.
ایرین	Arrian.
اتھینا	Athena
عزیز	Azes.
ایزیلیسیز	Azilises.
بیکس	Bacchus.
بیسلیس میگس	Basileus Megas.
کراکرافٹ	Cracroft.
کننگھم	Cunningham.
کورش	Cyrus.
ڈمیس	Damis.
دارائے گشتاسپ	Darius Hystaspes.
ڈلمیرک	Delmerick.
ڈیمٹریس	Demetrius.
ڈایوڈوٹس	Diodotus.
ڈایونیسس	Dionysus.
یوڈیمس	Eudemas.
افتالی یا سفید ہن	Ephthalites. or White Huns.
یوکرے ٹائیڈز	Eucratides.
یومینیز	Eumenes.
یوتھے ڈیمس	Euthedemus.
فاہیان	Fa-Hien.
گندوفر	Gondopharnes.
ہارپوکرے	Harpocrates.
ہرمائیس	Hermaeus.
ہوشک	Huvishka.
جنمے جیا	Janamejaya.

۲۲۶	عیسوی	اردشیر بابکان کا ایران کی ساسانی سلطنت کی بنا ڈالنا۔
۳۱۹	؍؍	گپتا خاندان کے بانی چندرگپت اول کی تاجپوشی۔ سن گپتا کا اجرا
۴۰۰	؍؍	چینی سیاح فاہیان کا ٹیکسلہ میں آنا۔
۴۳۰	؍؍	کدار شاہی کا سلطنت کشان خورد کی بنا ڈالنا۔
۴۵۰ - ۵۰۰	؍؍	افتالیلیوں یعنی سفید اہل ہن کی فوج کشی۔ کشان خورد کا قندہار سے اخراج۔ ٹیکسلہ کی اکثر عمارات کی بربادی۔
۵۱۰ (ق)	؍؍	تورمان کی وفات اور مہرگل کی تخت نشینی
۵۲۰	؍؍	قندہار میں چینی سیاح سنگ یون کی آمد۔
۶۲۹ - ۶۴۵	؍؍	چینی سیاح ہیون چوانگ کا ہندوستان میں آنا۔

باب ۳

صنعت[1]

باب گذشتہ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ پانچویں صدی قبل مسیح اور پانچویں صدی عیسوی کے مابین ٹیکسلہ یکے بعد دیگرے سات مختلف قوموں کے زیرِ نگیں رہا جنکے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) اہل ایران (ہخامنشی خاندان)

(۲) اہل مقدونیہ (یونانی)

(۳) خاندان موریا

---

[1] قدیم ہندی صنعت کے ارتقاء کے مفصل حال کے لیے ملاحظہ ہو "کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" اس میں مصنف کے لکھے ہوئے ابواب سے چند پیراگراف اس جگہ نقل کئے گئے ہیں۔

Sases.	ساسس
Sassanian.	ساسانی
Satavastra	ستاوستر
Seleucus Nicator.	سلیوق فاتح
Skylax.	سکائی لیکس
Spaden.	سپیڈن
Sotermeges.	سوٹرمگیس
Strabo.	سٹرابو
Toraman.	تورمان
Vardanes.	ورڈونیز
Vonones.	ونونیز
Xerexes	خشیارشا
Yuan Chwang. Huan Chwang. Hsuan Tsang.	ہوان چوانگ
Zionises.	زائونیسیز
Zoilus.	زوائلس

Kanishka.	کنشک
Kujula Kadphises.	کجول کیڈفائسیز
Liaka Kushulaka.	لیاکا کشولک
Maues.	مغو
Megasthenes.	میگستھنیز
Menander.	مینینڈر
Minerva.	منروا
Mithridates,	متھریڈیٹس (مہرداد)
Omphis	آمفیز
Orthagnes.	آرتھگنیز
Pakores.	پکوریز
Pears.	پیرس
Phraotes.	فراٹیز
Philostratus.	فلوسٹریٹس
Pliny.	پلینی
Plutark.	پلوٹارک
Porus.	پورس
Rajuvula.	راجوول
Sakya Mumi Gautam. or Siddhartha.	شاکی منی گوتم سدھارتھ

ایرانی اور یونانی تہذیب سے کم وبیش متاثر ہو چکی تھیں۔

موریائی چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح میں جب سلطنت موریا عروج پر تھی ٹیکسلا کی صنعت کا بھی وہی رنگ تھا جو خالص ہندوستانی صنعت کا' اور بالیقین ٹیکسلا کی صنعت اس سے بہت کچھ متاثر بھی ہوئی تھی۔ یہ صنعت ویسے تو اسوقت ابتدائی مدارج ہی طے کر رہی تھی مگر جواہرات کو عمدہ طریق سے تراشنے اور ان کو اعلیٰ جلا دینے، اور زیورات بلکہ سوختہ مٹی تک کی چیزوں کی سطح پر خوبصورت اور باریک کام کرنے میں ہندی صناعوں نے کمال پیدا کر لیا تھا۔ اسوقت کے ہندی سکے ہم عصر یونانی صنعت کے مقابلہ میں اس خالص ہندی صنعت کی ابتدائی حالت کی بہت اچھی تصویر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ رائج الوقت سکے جنکو عام طور پر "چھاپ شدہ" کہا جاتا ہے، نہایت بھدے اور بدنما ہیں، نہ تو ان کی بے ترتیب ہیئت ہی اور نہ وہ نقوش ہی جو ان کی سطح پر اندھا دھند چھاپ دیئے گئے ہیں۔ کسی صنعتی خوبی کا دعوے کر سکتے ہیں برخلاف اس کے راجہ سوبھوتی کے سکے جو چوتھی صدی قبل مسیح کے اخیر میں کوہ نمک کے علاقے پر حکمراں تھا، خالص یونانی طرز کے ہیں (ملاحظہ ہو پلیٹ نمبر ۲)۔ یہ سکے بظاہر سلجوق فاتح کے کسی سکے سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور سلجوق سے راجہ سوبھوتی اسوقت دوچار ہوا تھا جب اول الذکر نے پنجاب پر حملہ کیا۔ ان سکوں کو بغور دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ ملکی اور غیر ملکی صنعت کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ عجیب وغریب فرق اس زمانے کے فن مجسمہ سازی میں بھی ویسا ہی نمایاں ہے۔ جیسا کہ سکوں میں۔ مثال کے طور پر دیکھئے، آشوک کے بعض ستونوں پر مکمل مجسموں اور ابھری ہوئی تصویروں کے چند نہایت استادانہ نمونے نظر آتے ہیں اور صاف ظاہر ہے کہ یہ نمونے اس اعلیٰ اور پختہ صنعت کا

(۴) یونانی باختری

(۵) اہل شاکا (اہل سیتھیا)

(۶) پہلوی خاندان (اہل پارتھیا یعنی فارس)

(۷) اہل کشان

یہ امر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اہل معتددتیہ کو چھوڑ کر جن کا فاتحانہ عمل و دخل محض چند روزہ تھا ان میں سے ہر ایک قوم ملک کی تہذیب اور صنعت و حرفت پر اپنا کچھ نہ کچھ امتیازی نشان چھوڑ گئی ہے۔

ہخامنشی عہد کی صنعتی یادگاروں میں سے نہ تو ٹیکسلا ہی میں اس وقت تک کسی کا نشان ملا ہے۔ نہ ہندوستان کے کسی اور حصے میں۔ البتہ اگر کسی یادگار میں ہخامنشی رنگ جھلکتا ہے تو وہ آرمائی کتبہ ہے جس کا ذکر صفحہ ۱۰۱ پر آئے گا۔ یہ سچ ہے کہ بعد کے زمانہ کی سنگتراشی میں اور خصوصاً قندھاری طرز میں زبردست ایرانی عنصر نظر آتا ہے۔ لیکن اگرچہ یہ بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ عنصر اسوقت ہندی صنعت میں داخل ہوا جب سلطنت ایران شمال مغربی ہندوستان کی طرف پھیلی اور یونانی عنصر اسکے بعد پہنچا تاہم اس قیاس کی تائید میں بہت کم شہادت ملتی ہے۔ بلکہ زیادہ قرین عقل یہ پہلو ہے کہ سکندر اعظم کی فتوحات کے بعد باختر اور آس پاس کے ممالک میں، جہاں سکندر نے یونانی نوآبادیاں قایم کی تھیں، ایرانی اور یونانی خیالات میں آمیزش ہوئی اور وہ مخلوط صنعت جو اس ملاوٹ سے پیدا ہوئی یا تو سلطنت موریا اور مغربی ایشیا کے مابین بامن تعلقات کی وجہ سے یا باختری یونانیوں، اہل شاکا، پہلویوں اور اہل کشان کے حملوں کے باعث ہندوستان میں رواج پذیر ہوئی۔ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ سب قومیں

Plate II.

1&2. PUNCH-MARKED.

3&4. LOCAL TAXILAN.

5. SOPHYTES.

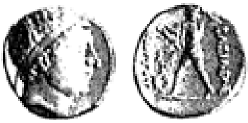

6. DIODOTUS.

7. EUTHYDEMUS.

8. DEMETRIUS.

9. ALEXANDER.

10. EUCRATIDES.

11. ANTIALCIDAS.

12. APOLLODOTUS.

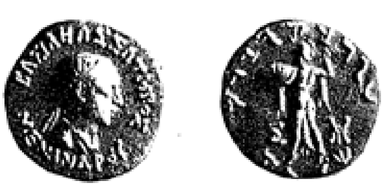

13. MENANDER.

Coins.

نتیجہ ہیں جو ایرانی اور یونانی صنعتوں کی آمیزش سے وجود میں آئی تھی۔ لیکن ان اعلیٰ نمونوں کے پہلو بہ پہلو "یک رخی"[1] یا ایسی تصویریں بھی موجود ہیں جن میں ظاہری "سُوا جہت" یا "مقابلہ"[2] کے خیال کی نہایت سختی سے پابندی کی گئی ہے اور جن میں ابتدائی صنعت کے تمام اصولی اور اصطلاحی عیوب صاف نمایاں ہیں اس قسم کی تصاویر کا ایک نمونہ وہ مورت ہے جو پارکھم سے ملی تھی اور اسوقت متھرا کے عجائب خانے میں موجود ہے۔

یونانی عہد موریا میں یعنی باختری یونانیوں کے پنجاب فتح کرنے سے پہلے ٹکسیلہ کی صنعت پر جو یونانی اثر پڑا۔ اس کی خفیف سی شہادت ان معدودے چند قدیم اشیاء سے ملتی ہے جو شہر بھڑ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں یونانی طرز کے مٹی کے برتن، سوختہ مٹی کی تصویریں۔ یعنی گڑیاں، کھلونے وغیرہ، سکے اور جواہرات کے نگینے شامل ہیں۔ لیکن ان چیزوں کی تعداد بہت ہی کم ہے

---

[1] Unifacial یہ اصطلاح قدیم زمانے کے ان مجسموں کے متعلق ایجاد ہوئی ہے جن کو بناتے وقت سنگتراش ایک وقت میں تصویر کا صرف ایک ہی پہلو ذہن میں جمایا کرتے کچھ عرصے کے بعد جب صنعت نے کافی ترقی کرلی تو صناع تصویر بناتے وقت اسکے تمام پہلوؤں یعنی طول عرض موٹائی تینوں کو پیش نظر رکھنے لگے۔

[2] Frontality اس لفظ کا اطلاق ان قدیم مجسموں کی صنعت پر ہوتا ہے جن میں رسمی طریق ساخت کی اس سختی سے پابندی کی گئی ہے کہ حرکت اور آزادی کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ اور اگر سر، ناک، سینہ، ریڑھ کی ہڈی سے ہوتا ہوا ایک سیدھا خط ناف تک کھینچا جائے تو ہر مجسمے کے دو پورے پورے مساوی حصے ہو جائیں۔

Plate III.

14. HERMAEUS.

15. MAUES.

16. AZES I.

17. GONDOPHARES.

18. KADPHISES II.

19. BASILEUS MEGAS.

20. KANISHKA.

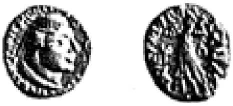

21. RAJUVULA.

22. VASUDEVA.

23. WHITE HUN.

Coins.

غالباً ایرانی سکوں سے اڑائی گئی تھی۔ اس میں یونانی تحریر کی بجائے سکّوں کی عبارت دو زبانوں میں کردی گئی ہے۔ یعنی ایک طرف یونانی اور دوسری جانب کھروشٹی تحریر[1]۔ آہستہ آہستہ دیگر یونانی خصوصیات کم ہوتی گئیں۔ اور ہندی عنصر بتدریج داخل ہوتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تروتازگی اور شادابی جوان سکوں کی تصاویر کی خصوصیت تھی رفتہ رفتہ زائل ہوگئی۔ الغرض اختلاط کا یہ عمل جاری رہا اور گو اوّل اوّل مخلوط یونانیوں میں اسکا اثر نسبتہً کم تھا مگر جونہی یونانیوں کی جگہ اہل **شاکا** اور **پہلویوں** نے لی یہ اختلاط بھی تیزی کے ساتھ شروع ہوگیا۔ ان سکوں کی شہادت اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ قدر ہے کیونکہ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندی صناع مغربی نمونوں کو جوں کا توں نقل کرنے کی بجائے اپنے ذاتی خیالات کا آزادانہ اظہار کرتے تھے۔ مزید برآں ان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ یونانی صنعت کو ہندوستان کی سرزمین میں سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے ایک ناگزیر تغیر کا منہ دیکھنا پڑا۔ تاہم اسکا اثر نہایت مستحکم اور دیرپا تھا۔

یونانی صنعت کے اثر کی شہادت کا سلسلہ ان سکّوں ہی پر ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ ان سے جو شہادت ملتی ہے۔ اس کی تصدیق زمانہ قدیم کی اور بہت سی اشیاء سے بھی ہوتی ہے جو ہم تک پہونچی ہیں خاصکر جواہرات، **گلی ظروف**

---

[1] کھروشٹی رسم الخط شمال مغربی ہندوستان میں قریباً ۳۰۰ قبل مسیح سے ۵۰۰ عیسوی تک رائج رہا۔ یہ بھی اردو فارسی کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھا جاتا ہے۔ اور آرامی رسم الخط سے نکلا ہے ان کتبوں کی زبان پالی ہے جو سنسکرت سے بہت ملتی جلتی اور اس زمانے کی گویا عوام کی زبان ہے، جیسے مغلیہ بادشاہوں کے زمانے میں اردو یا ہندی تھی۔ مترجم۔

اور سوختہ مٹی کی چیزیں ۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ ابتدائی ہندی صنعت کی ابھرواں تصاویر میں جو یونانی اثر نظر آتا ہے وہ انہی چھوٹی چیزوں کی بدولت پیدا ہوا۔ جب کہ یہ چیزیں ہندوستان اور وسط ہند کے بازاروں میں بکنے لگیں +

باقی رہے کتابے سو ہندوستان میں باختری یونانیوں کے زمانے کا صرف ایک کتبہ اسوقت تک ملا ہے اور وہ بھی یونانی زبان میں نہیں بلکہ قدیم براہمی حروف میں کندہ ہے۔ یہ کتبہ ٹیکسلہ سے ایکہزار میل کے فاصلے پر وسط ہند کے قدیم شہر ودیشا (یعنی موجودہ بھیلسہ) میں ایک لاٹھ پر کندہ ہے اور اس میں لکھا ہے کہ لاٹھ مذکور ایک یونانی ہیلوڈورس این ڈائین نے قائم کی تھی جو ٹیکسلہ کے یونانی بادشاہ اینٹی السی ڈس کی طرف سے ودلیشا کے دربار میں سفیر مقرر ہو کر گیا تھا۔ اس کتبے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یونانی اسوقت کس ذوق شوق سے اپنے نئے وطن یعنی ہندوستان کے مذاہب اختیار کرتے جا رہے تھے۔ یونانی مذہب میں کافی گنجائش تو تھی ہی؛ انھوں نے ہندی دیوتاؤں کو اپنے دیوتاؤں کے ساتھ فوراً مطابقت دے لی اور جس طرح اٹلی میں انہوں نے میزوا کو اتھینیا اور بیکیں کو ڈائونیسس سمجھ لیا تھا۔ اسی طرح ہندوستان میں سورج دیوتا (سوریا) کو اپالو کے ساتھ اور عشق کے دیوتا (کاما) کو ایراس کے ساتھ مطابق کر لیا۔ پس شِو۔ پاربتی۔ وشنو یا لکھشمی غرض کسی ہندی دیوتا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں انہیں کسی طرح کا تامل نہ تھا۔

ساکا باختری یونانیوں کے بعد پہلی صدی عیسوی میں ٹیکسلا اہل ساکا کے قبضہ میں آیا۔ انکے عہد حکومت میں یونانی صنعت کا اثر بتدریج کم ہوتا گیا

اور پامیانی جیسے دُور دراز مقامات میں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔

قندھاری طرز

خاص ٹیکسلہ کی صنعت مجسمہ سازی وغیرہ کے متعلق اب ہم اتنا تو بالیقین کہہ سکتے ہیں کہ سن عیسوی کی ابتدائی تین یا چار صدیوں میں یہ صنعت اپنی امتیازی صفات کے لئے مغربی تخیل کی مرہونِ منّت ہوئی اور یہ کہ اس مغربی تخیل کی درآمد کے ذمہ دار اہل فارس تھے لیکن اسکے ماسوا ہم قندہاری طرز کی ابتدا کے متعلق تیقن کے ساتھ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ یہ طرز خاص ٹیکسلہ میں نہیں بلکہ شمالمغربی سرحد کے پار (غالباً سوات کے خطے میں) معرض وجود میں آئی جہاں مجسمہ تراشوں کو وہ نرم سرمئی پتھر بآسانی دستیاب ہوسکتا تھا جو قندہاری مجسموں کی ساخت میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ اس قندھاری طرز کی بہت سی مورتیں ٹیکسلہ میں بھی ملی ہیں۔ اور ان سے اور نیز جن مقامات سے یہ چیزیں ملی ہیں۔ ان کے تاریخی و دیگر حالات سے جو شہادت ملتی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرز کی ابتدا اسوقت ہوئی جب کہ پہلوی خاندان شمال مغرب میں حکمراں تھا اور پہلوی حکمرانوں کا یونانیت کیطرف اپنا ذاتی میلان اور ہر چیز میں یونانیت پیدا کرنے کا خیال اس صنعت کے محرک ہوئے یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ قندہاری صنعت مجسمہ سازی دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کے عہد حکومت میں کمال عروج کو پہنچی اور تیسری صدی عیسوی کے دوران میں آہستہ آہستہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

قندہاری طرز کی مورتیں اور ابھرداں تصویریں اپنی وضع قطع اور بناوٹ کے اکثر خط و خال میں اس زمانے کی رومی تصویروں سے بہت ملتی جلتی ہیں چنانچہ اس مشابہت کی بنا پر بعض مصنفین کو یہ خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ رومی

اور یہاں کی صنعت جو پہلے ہی کچھ اعلیٰ پایہ کی نہ تھی۔ یونانی نقشوں کی محض بھدی سی نقل رہ گئی جس میں مقامی رنگ بھی نمایاں تھا۔ یہ اختلاط کم و بیش ایک صدی تک جاری رہا۔

پہلوی لیکن پہلی صدی عیسوی میں جب پہلوی سلطنت ہندوستان کی طرف پھیلی تو یونانی صنعت و تخیل کو ایک ایسی تازہ قوت اور تحریک حاصل ہوئی جو اب تک نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں جو یونانی اثر ہمیں شمال مغربی سرحد کی صنعت میں نظر آتا ہے اسکے ذمہ دار نہ تو باختری یونانی ہیں نہ اہل شاکا بلکہ اسکے اکثر حصے کے ذمہ دار اہل فارس یعنی پہلوی لوگ ہیں۔ یہ پہلوی ایسے نیم وحشی نہ تھے جیساکہ رومی اور موجودہ زمانے کے مورخین نے انکے متعلق لکھا ہے بلکہ بخلاف اسکے یہ لوگ دو بڑے تمدنوں کے چشموں سے سیراب ہو چکے تھے۔ یعنی ایک تو قدیم ایرانی تمدن جنے زمانے کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے تھے، اور دوسرا سلجوقی زمانے کا یونانی تمدن جو ان کو ورثے میں ملے تھے۔ اور یہ لوگ یونانی تمدن کو زیادہ اہم سمجھتے تھے اس کی دو وجہیں تھیں ایک تو یہ کہ ان کی وسیع سلطنت کے اکثر و بیشتر حصے میں اور تمام مغربی دنیا میں اسوقت یونانی تمدن ہی کا دور دورہ تھا، دوسری یہ کہ اسوقت بحیرۂ روم اور افغانستان اور شمالی ہند کے مابین جو سوداگری اور تجارت ہوتی تھی اس کی باربرداری اہل فارس ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ان حالات کو مدنظر رکھا جائے تو ٹیکسلہ کے پہلوی شہر یعنی سرکپ سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء ملی ہیں ان میں بہ نسبت ہندی کے یونانی صنعت کی صفات کے زیادہ پائے جانے کی وجہ بھی بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے۔ نیز اس امر کی وجہ بھی کہ ٹیکسلہ میں جو چیزیں ملی ہیں بعینہ اسی نمونے اور صنعت کی چیزیں مہرکولیم

میں اس طرز کی اہمیت اور قرون وسطیٰ کے آغاز میں اسکے دُور رس ثمرات اب پہلی مرتبہ مصنف ہذا کی ٹیکسلہ کی کھدائی اور افغانستان میں فرانسیسی آرکیالاجیکل مشن کی کھدائیوں کے ذریعہ ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس طرز کے بنے ہوئے مجسموں وغیرہ سے آثار قدیمہ کے عالم مدت سے روشناس ہیں۔ لیکن بوجہ ناکافی معلومات کے اس طرز کو اب تک قندہاری طرز ہی سمجھا گیا جو اس سے بہت پہلے رائج تھی اور اس لیئے دونوں کے مابین کوئی فرق مابہ الامتیاز نہیں سمجھا گیا۔ مگر اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ان دو طرزوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ یعنی ان میں قدر مشترک ایک تو وہ قدیم یونانی عنصر ہے جو دونوں کو ورثہ میں ملا اور دوسرے مجسموں کے بہت سے مقررہ نمونے اور وہ مذہبی کلمات ہیں جو زیادہ تر قدیم طرز نے ایجاد کیئے تھے اور اس وقت سے اب تک بودھ علم الاصنام کے عالموں کا سرمایہ اور مبلغ علم رہے تھے۔ باقی سب باتوں میں وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یعنی انکے روحانی مقاصد اور جزئیات کی ساخت کا طریقہ انکا زمانہ اور وہ مسالہ جو مجسموں وغیرہ کے بنانے میں استعمال ہوا ہے۔ سب کے سب ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ مثلاً قندہاری طرز میں پتھر استعمال ہوتا ہے تو ہندی افغانی طرز میں مٹی یا چونا، علاوہ ازیں قندہاری صناع ہمیشہ رسم اور قاعدے کے پابند رہے لیکن انکے ہندی افغانی جانشین جہاں مذہبی روایات کی بندشوں سے بچ سکے فوراً اپنے خیالات کا آزادی اور نہایت صحیح طور پر اظہار کرنے سے نہیں چوکے اور یہی وہ خصوصیت ہے جس سے ان کی بنائی ہوئی مورتیں وغیرہ ہندوستان کی صنعت کے نہایت اعلیٰ اور زوردار نمونے سمجھی جاتی ہیں۔

ہندوستان میں یونانی صنعت کا اثر یہ سوال کہ یونانی صنعت نے

صنعت و تہذیب نے اپنا سکّہ شمالی ہند تک بٹھا رکھا تھا۔ لیکن یہ خیال ایک اصولی غلطی پر مبنی ہے جو عہد قیاصرہ کی رومی صنعت کی ابتدا اور رومی اور مغربی ایشیا کی یونانی صنعت کے باہمی تعلقات کے بارے میں پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم دنیا میں، شاہان سلجوق کے زمانے سے لے کر اس وقت تک، صرف مغربی ایشیا ہی ایسا ملک تھا جو صنعتی تگ و دو کا مرکز رہا تھا۔ اور اس تگ و دو کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغربی ایشیا کی سرزمین ایک ایسی بھٹی بن گئی جس میں یونانی اور آیبونی، ایرانی اور عراقی صنعتیں ڈھل کر ایک ہو گئیں۔ پھر مغربی ایشیا سے صنعت کی نہریں بہہ بہہ کر نکلیں جن میں سے کچھ تو مغربی جانب سلطنت روم میں جا پہونچیں۔ اور کچھ مشرق کی طرف آ کر فارس، ترکستان اور ہندوستان کو سیراب کر گئیں۔ یہ فرض کرنا بڑی غلطی ہے کہ رومی خیالات نے یونان اور ایشیا کی تصویر سازی کی صنعت پر کسی بڑی حد تک اپنا اثر ڈالا۔ بلکہ حقیقت میں معاملہ اسکے برعکس تھا اور رومی صنعت کا یونانی صنعت کے ساتھ وہی تعلق تھا جو قندھاری صنعت کا یونانی صنعت کے ساتھ۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیئے کہ قندھاری صنعت رومی صنعت کی مبیٹی نہیں، بلکہ اس کی بہن یا زیادہ صحیح الفاظ میں اس کی قریبی بہن ہے اسلیئے کہ دونوں کا شجرہ نسب ایک ہی جد اعلےٰ سے جا ملتا ہے۔ پس اگر رومی اور قندھاری صنعتوں میں ایک قسم کی خاندانی مشابہت پائی جائے، تو ہمیں متعجب نہ ہونا چاہیئے۔

سنہ۴۰۰ء کے قریب یا کچھ عرصے کے بعد صنعت کی ایک نئی طرز پیدا ہوئی جسنے قدیم طرز کے مُردہ عناصر کو از سر نو زندگی بخشی۔ یہ طرز افغانستان میں بھی اسی زور شور سے عمل پیرا تھی جیسے پنجاب میں۔ اور اس لیئے ہم اس کو صحیح طور پر ہندی افغانی طرز کہہ سکتے ہیں۔ ہندی اور وسط ایشیائی صنعت کی تاریخ

ان بلند تخیلات اور ان روحانی جذبات کو صورت اور رنگ کی عبارت میں وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرنی شروع کی لیکن یہ کوشش خاندان گپتا کے وسیع عہدِ حکومت میں اسوقت شروع ہوئی جب کہ صنعت اور تخیل میں بہت قریبی اتصال قائم ہو چکا تھا اور دونوں کو نئی تقویت حاصل ہو چکی تھی۔ اور عہد وسطیٰ سے قبل روح کو مادے کا لباس پہنانے کا بلند زاور بقول بعض مضحکہ انگیز) خیال کبھی ہندی دل و دماغ کے تصور میں بھی نہ آیا تھا۔ ہندی صناعوں کے لیے صنعت تجسیم و تصویر ایک بالکل علیحدہ چیز تھی۔ یعنی وہ ایک ایسا مادی اور موثر اظہار تھا حسن کا جو ہندوستانیوں کے باطنی ذوق صحیح کو تو بھلا معلوم ہوتا تھا۔ مگر قوتِ متخیلہ یا رموزِ تصوف کو اس میں مطلق دخل نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ تصویر سازی کی صنعت میں اہل ہند کو سادہ اور عالمگیر الفاظ میں اپنی مذہبی روایات و تواریخ کے اظہار کا اچھا موقعہ نظر آیا اور چونکہ یونانی صنعت میں یہ امور نہایت وضاحت کے ساتھ اور دلکش طریق پر ادا کیے جاتے تھے۔ اسلیے اہل ہند نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے بڑی خوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور نہایت ذوق شوق سے اسکو سیکھا۔ اسکے سوائے اور کوئی مقصد اُنکے مدِ نظر نہ تھا۔ یعنی نہ تو انہیں یونانی نصب العین ہی سے ہمدردی تھی اور نہ وہ اس صنعت کو اپنے روحانی نصب العین کے اظہار کا ذریعہ ہی سمجھتے تھے۔

ہندوستان کی صنعت پر کیا اثر ڈالا ایک ایسا سوال ہے جس پر متقدمین میں بہت اختلاف رہا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اثر اتنا کم تھا کہ بآسانی نظرانداز کیا جاسکتا ہے، مگر دوسرے فریق کے نزدیک یہ اثر تمام ہندی صنعت کے تار و پود کی جڑ بنیاد ہے۔ لیکن اصلیت اور حقیقت' جیسا کہ اکثر ہوتا ہے' دونوں کے بَین بین ہے۔ شمالی اور وسطی ہندوستان میں یونانی صنعت نے قدیم قومی صنعت کو فروغ دینے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ اور نہ صرف اصطلاحی مشکلات کو صاف کردیا، بلکہ نئے اور جاندار خیالات سے اس کی نشو و نما میں بھی نئی روح پھونکی۔ برخلاف اسکے شمال مغربی خطّے میں اور اس کی سرحد کے پار اس صنعت نے صدہا سال تک اپنا سکہ جمائے رکھا اور مُلکی صنعتی روایات کو بالکل پسِ پشت ڈالدیا۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ جو صنعتی نمونے اسنے آپ پیش کیے' وہ بجائے خود بڑی خوبی کے ہیں اور یونانی ذکاوت کے سمجھنے میں قابلقدر امداد دیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس عالمگیری کے یونانی صنعت ہندوستان میں حقیقی طور پر کبھی اس طرح پاؤں نہ جما سکی جس طرح اٹلی یا مغربی ایشیا میں اسنے اپنا تسلّط بٹھا لیا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یونانی اور ہندی طبائع بالکل متضاد واقع ہوئی تھیں۔ یونانیوں کے لیے' انسان' انسانی حُسن اور انسانی ذہن ہی سب کچھ یعنی موجودات کی سب چیزوں سے بالاتر تھے۔ اور مشرق میں بھی حُسن اور ذہن کی پرستش ہی یونانی صنعت کی رہنما رہی۔ لیکن ہندی دل و دماغ اس نصب العین کو قبول نہیں کرسکتے تھے۔ ہندیوں کی نظر فانی کی بجائے غیر فانی اور محدود کو چھوڑکر غیر محدود تک پہونچتی تھی۔ یونانی فکر علم اخلاق کی جانب مائل تھا تو ہندی دماغ روحانیت کی طرف' اوّل الذکر معقولیت کا خواہاں تھا تو موخرالذکر جذبات میں غرق۔ اس پر ہندی صناعوں نے' بعد کے زمانے میں

آثار ٹیکسلا[1] کی کیفیت بیان کرنے میں ہم پہلے دھرمراجیکا ستوپا اور اس کے جنوب مشرق میں چند اور عمارتوں سے شروع کرکے ہتھیال کی پہاڑی پر سے ہوتی ہوئی ستوپہ کنال جائیں گے اور وہاں سے شہر سرکپ میں ہوتے ہوئے مندر جنڈیال اور اسکے شمالی جانب دو چھوٹے چھوٹے ستوپوں کے کھنڈرات کا معائنہ کرینگے۔ اسکے بعد ہم شہر سرسکھ اور ان بدھ یادگاروں کی جانب روانہ ہونگے جو لال چک اور بادلپور میں واقع ہیں۔ اور آخیر میں مواضع موہڑہ مرادو، پپلا، جولیاں کے ستوپوں اور خانقاہوں کا حال بیان کرینگے۔ جو آج تک نہایت اچھی حالت میں محفوظ اور بعض امور کے لحاظ سے ان سب سے زیادہ اہم اور خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دھرمراجیکا ستوپہ[2] عوام میں چیر ٹوپ کے نام سے مشہور ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کسی سابق محقق آثار قدیمہ نے اسکے وسط میں، کھدائی کرکے، ایک وسیع شگاف کردیا تھا (دیکھئے پلیٹ نمبر ۵)۔ یہ ستوپہ تمرا نالہ کی سطح سے بہت اوپر ایک بلند میدان مرتفع پر واقع اور بہت شکستہ حالت میں ہے پچاس سال

---

[1] جو کھنڈرات اب ٹیکسلا میں برآمد ہوئے ہیں ان سب کو دیکھنے میں مکمل دو دن خرچ ہوتے ہیں۔ دھرمراجیکا ستوپہ یعنی چیر ٹوپ، سرکپ، جنڈیال، موہڑہ مرادو اور جولیاں جانے کے لیے پختہ سڑکیں موجود ہیں۔ ٹیکسلا کے سٹیشن پر تانگے عموماً مل جاتے ہیں لیکن پہلے سے انتظام کرلینا زیادہ مناسب ہے۔ اس بارے میں، نیز دیگر معاملات میں، آثار قدیمہ کے عجائب خانہ کے منتظم سے ہر امداد جو اسکے امکان میں ہے مل سکتی ہے۔

[2] پختہ سڑک۔ جو دھرمراجیکا ستوپہ کو جاتی ہے بہت چکردار اور قریباً دو میل لمبی ہے لیکن بھڑ کے مشرق کی طرف ایک قریب کا رستہ بھی ہے جو تمرا نالہ میں سے گزرتا ہے،

باب ۴

دھرمراجیکا ستوپہ[1]

[1] اس میں کلام نہیں کہ ابتداءً ستوپے ٹیلوں کی شکل میں مُردوں کو دفن کرنیکی غرض سے بنائے جاتے تھے۔ لیکن اہل بُودھ کے ہاں ستوپے عموماً بدھ یا بدھ کے حواریوں کے تبرکات کو محفوظ رکھنے کی خاطر یا کسی خاص متبرک مقام پر بطور یادگار تعمیر ہوا کرتے تھے۔ کسی ستوپے کی ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر یہ بتانا بالکل ناممکن ہے کہ اسکے اندر تبرکات رکھے ہوئے ہیں یا نہیں۔ اہل بودھ کے نزدیک ستوپے کی تعمیر ایک ایسا کارِ خیر ہے جسکے کرنے سے انسان نجات یا سکونِ ازلی" کی منزلِ مقصود کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں "ٹوپ" کا جو لفظ ستوپے کا ہم معنے ہے وہ لفظ "تھوپ" سے مشتق ہے جو سنسکرت میں "ستوپہ" کا مترادف ہے۔ ملک برما میں ستوپے کو عموماً پگوڈا اور جزیرہ لنکا میں ڈاگبہ کہتے ہیں۔ موخر الذکر سنگھالی زبان کے دو الفاظ یعنی دہاتو بمعنے تبرک اور گربھ بمعنے ظرف یا معبد سے مشتق ہے۔ نیپال میں ستوپے کو چیتیا کہتے ہیں۔ "ستوپے" کی طرح اس لفظ کے معنی بھی اصل میں "ڈھیر" ہی کے تھے لیکن بعد میں اس کا اطلاق ہر قسم کی عبادتگاہ پر ہونے لگا۔

قبل سر الیگزینڈر کننگھم نے اس عمارت کی خراب وخستہ حالت کو دیکھ کر کہا تھا کہ اسکا صرف اندرونی حصہ بربادی سے محفوظ رہا ہے۔ لیکن حال کی کھدائی میں اس عمارت کی بنیادوں کے آس پاس سے تیس فٹ ملبہ ہٹایا گیا ہے، جس سے عمارت کے روکار کا بہت سا حصہ نسبتہً اچھی حالت میں برآمد ہوا ہے اور اور بھی بہت سی دلچسپ عمارتیں مثلاً ستوپے، مندر اور بھکشوؤں یا راہبوں کے رہنے کے مکانات بھی رونما ہوئے ہیں۔ یہ عمارات کم ازکم پانچ صدی کے عرصے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اور مقامی فن تعمیر کی تاریخ کے لیے نہایت اہم معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔ علاوہ بریں دھکے اور دوسری چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی جو ان عمارات کی کھدائی کے وقت برآمد ہوئیں بہت قابلقدر رہیں اس لیےکہ وہ اس قدیم زمانے کی تاریخ کے متعلق اکثر مسائل کے حل کرنے میں کافی امداد دیتی ہیں۔

ستوپہ کلاں

ستوپہ کلاں کی اصل عمارت، جو اسوقت برآمد ہوئی ہے شکل میں مدور ہے، اور اسکے گرد ایک بلند چبوترہ ہے جسکے چاروں طرف زینے ہیں۔ ستوپہ کی اندرونی ناہموار بھرتی میں انگھڑ پتھروں کی چنائی ہے جس کو تین سے پانچ فٹ تک موٹی دیواروں سے مستحکم کیا گیا ہے جو وسط میں جاکر ملجاتی ہیں۔ یہ دیواریں ستوپے کی بنیادوں تک پہونچنے کی بجائے چبوترے کے اوپر ہی ختم ہوجاتی ہیں اور صریحاً کسی بعد کی مرمت سے تعلق رکھتی ہیں، جو غالباً عہد کشان کے عہد حکومت میں عمل میں آئی تھی۔ ستوپے کے روکار میں بڑے بڑے پتھر لگے تھے جنکے مابین ترشے ہوئے کنجور کے سازاور ستون تھے اور تمام عمارت چونے کی استرکاری اور رنگوں سے مزین تھی۔ چبوترے سے کچھ اوپر، ستوپے کی روکار پر جو پتھر اور کنجور کا زیبایشی کام تھا اس کا ایک حصہ مشرقی پہلو پر بہت اچھی حالت میں ملا ہے۔ اس کی ممتاز خصوصیات اس کے طاقچوں

Plate IV.

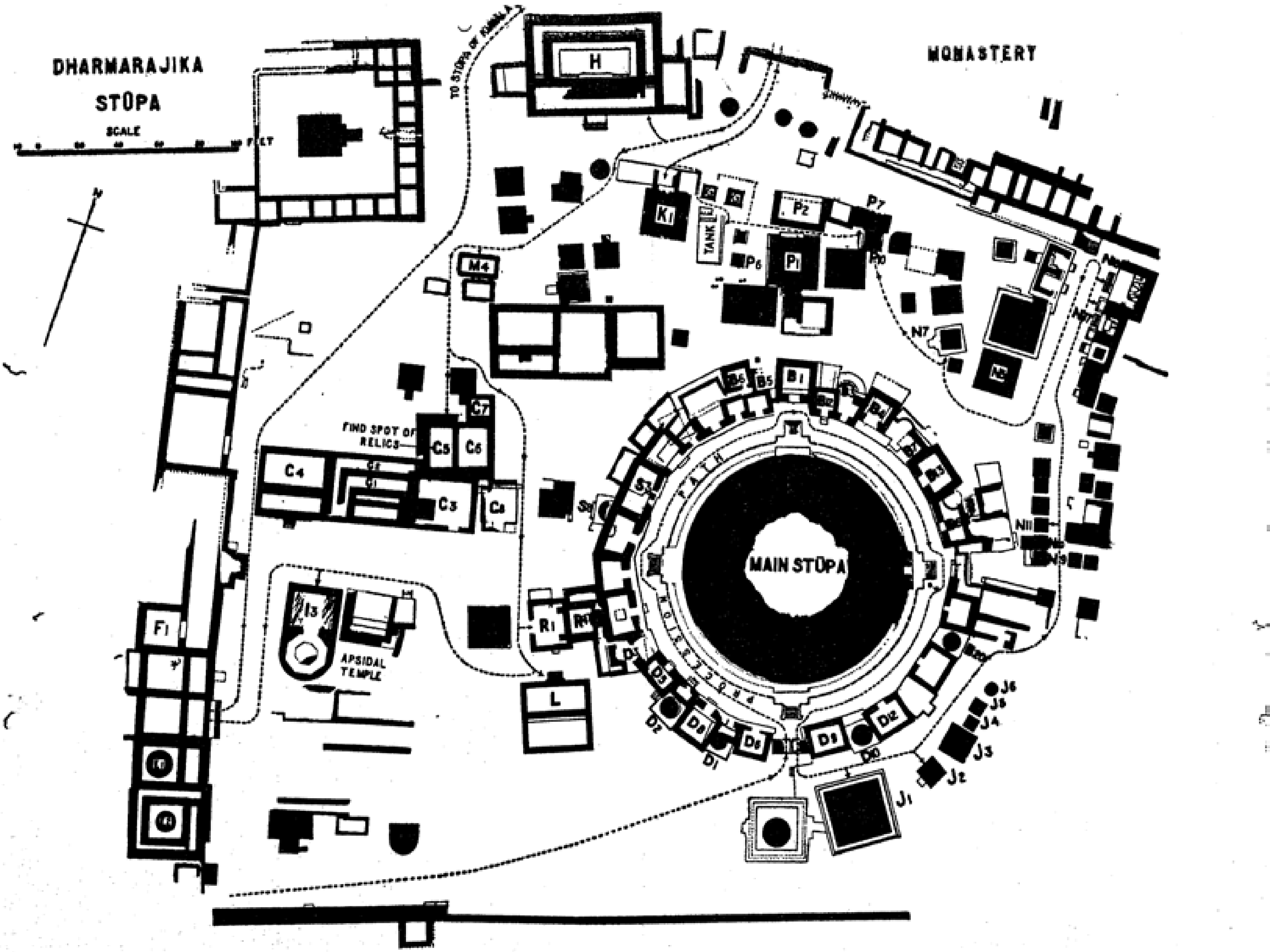
DHARMARAJIKA
STŪPA
SCALE
FEET
N
TO STUPA OF KUNALA
H
MONASTERY
K1
TANK
P2
P7
P1
P6
M4
N7
N3
B5
B1
FIND SPOT OF RELICS
C5
C6
C7
C4
C3
S1
MAIN STŪPA
PATH
N11
F1
I3
APSIDAL TEMPLE
R1
L
D2
D1
D5
D9
D10
D12
J1
J2
J3
J4
J5
J6

کی مخصوص طرزِ ساخت اور آرائشی ساز کی زور دار گولائیاں ہیں۔ طاقچے بالترتیب تہری کمانوں اور ڈھلواں بازو دار دروازوں کی شکل میں ہیں اور ان کے درمیان کارنتھی طرز کے ستون ہیں۔ طاقچوں کے اندر بدھ یا بودھی ستوا کے ابھرواں مجسّمے بنے ہوئے تھے۔ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے اور چھوٹے چھوٹے ستوپے جو اس مقام پر ملے ہیں اُن پر بھی اسی نمونے کا زیبائشی کام پایا جاتا ہے۔ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دھرماجیکا ستوپہ کس وقت تعمیر ہوا۔ ممکن ہے کہ موریائی شہنشاہ آشوک[1] کے عہد میں یعنی تیسری صدی قبل مسیح میں بنا ہو۔ البتہ اس کے گرد جو چھوٹے چھوٹے ستوپے ملے ہیں وہ شاہانِ شاکا میں سے معز اور ازیزیہ کے زمانے کے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ بڑا ستوپہ ان بادشاہوں کے عہد میں موجود تھا۔ لیکن ستوپے کا موجودہ روکار دوسری صدی عیسوی سے پہلے کا نہیں ہے اور چبوترے کے اوپر جو کنگورکا زیبائشی کام ہے وہ غالب پانچویں صدی عیسوی کا ہے۔

چبوترہ اور وہ کشادہ رستہ جو ستوپے کے گرد واقع ہے دونوں زمانہ قدیم میں طواف یا پردکھشنا کا کام دیتے تھے اور دستور یہ تھا کہ زائرین ستوپے کو اپنی دائیں جانب رکھ کر اس کے گرد چکر لگایا کرتے۔ آجکل اہل بودھ عموماً کسی ستوپے یا دوسری مقدس عمارت کے گرد تین دفعہ طواف کرتے ہیں۔ لیکن اگر منت مان

---

[1] بعض کا خیال ہے کہ دھرماجیکا سے مُراد وہ ستوپہ ہے جسکو آشوک نے تعمیر کرایا ہو۔ کیونکہ اشوک خود دھرم راجہ کہلاتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں وہ ستوپے دھرماجیکا کہلاتے ہیں جنمیں بدھ کے (جو اصلی دھرم راجہ ہے) آثار یا تبرکات مدفون ہیں اور آشوک کو یہ خطاب بھی اسی لئے ملا کہ اس نے بہت سے دھرماجیکا ستوپے بنوائے تھے۔

طرز کے مجسمے اور سکے قابل ذکر ہیں۔ اوّل الذکر کی مثال بودھی ستوا[1] (رشاکی منی گوتم بُدھ) کی وہ تصویر ہے جس میں وہ اپنے خدام سمیت ایک شامیانے کے نیچے بحالت ابھے مدرا کھڑا ہے۔ ثانی الذکر یعنی سکے جو تعداد میں ۵۵ ہیں مغربی زینے کے قریب کنجور کی ایک بل میں چھپائے ہوئے ملے تھے۔ ان میں عزیز ثانی، سوٹر میگس، ہُوِشک، واسودیو اور ہندی ساسانی یا کشانی ساسانی عہد کے سکوں کے نمونے شامل ہیں۔

ستوپۂ کلاں کے گرد چھوٹے مدوّر ستوپوں کی تعمیر

یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس میدان مرتفع پر سب سے پہلے ستوپہ کلاں کی تعمیر وقوع میں آئی۔ اس کی تعمیر کے وقت آس پاس کی زمین کو ہموار کر کے اس پر باور یت کی تہ جمائی گئی اور اس پر چونے کی لپائی کا فرش بنا دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد اس فرش پر یا بلکہ اس ملبے کے اوپر جو بمرور ایام فرش مذکور پر جمع ہو گیا تھا مرکزی ستوپے کے گرد بہت سے چھوٹے چھوٹے ستوپے تعمیر ہوئے جنمیں سے ذیل کے گیارہ ستوپے اسوقت تک آشکار ہو چکے ہیں

R

S^{8} — B^{6} — B^{3} — B^{7} — B^{10} — B^{20} — D^{10} — D^{1} — D^{2} اور (D^{3}

نقشہ پلیٹ ۴ میں یہ نمبر مغربی جانب سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ ستوپے

---

[1] بودھی ستوا کے لغوی معنی ایک ایسی ہستی کے ہیں جس کی غرض و غایت معرفت یا حق شناسی ہو۔ گوتم اپنے تمام گذشتہ جنموں میں بودھی ستوا تھا اور اپنی تاریخی زندگی میں اسوقت تک بودھی ستوا رہا جبتک کہ وہ درجۂ حق شناسی حاصل کر کے بُدھ نہ بن گیا۔ شاکی یا جاپانی فرقے کے نزدیک گوتم کے علاوہ اور بھی بیشمار بودھی ستوا ہیں جن میں کچھ تو انسان ہیں اور کچھ آسمانی ہستیاں۔ اُن میں سے مشہور نام یہ ہیں:۔ آدلوکی تیشور، منجوسری، مادیچی، سمنت بھدر، وجرپانی، اور میتریا ـــــــ آخرالذکر کا ظہور ابھی ہونے والا ہے اور وہ دنیا کے موجودہ دور کا آخری بُدھ ہوگا۔

30327

رکھی ہو تو سات بار، چودہ بار، بلکہ اکیسواٹھ بار بھی اس طرح طواف کرتے ہیں۔ پرودھشنا کے آخری فرش کا تھوڑا سا حصہ کھدائی میں برآمد ہوا ہے اور شمال مشرقی ربع میں موجود ہے۔ یہ فرش سرمئی رنگ کے سلیٹی پتھر کی سلیوں کا ہے لیکن اس کے نیچے دو اور پرانے فرشوں کے نشان بھی ملے ہیں۔ سب سے قدیم اور اصلی فرش چونے اور ریت کا تھا اور اس کے شمال مغربی ربع کا ایک حصہ سنکھ یا صدف کی چوڑیوں سے مزین تھا۔ جن میں سے بعض سالم ہیں اور بعض نصف یا ربع دائرہ کی شکل میں اس طرح مرتب ہیں کہ ہندسی شکلیں بن گئی ہیں۔[1] اس فرش کے اوپر تین انچ کے قریب ملبہ چڑھا ہوا تھا۔ جس پر چونے کا ایک اور فرش تھا۔ اس دوسرے فرش پر جو ملبہ جمع ہوا تھا اس میں سے کانچ کے چوکوں کے بہت سے ٹکڑے برآمد ہوئے اور غالب یہ ہے کہ طواف کے تمام رستے کی فرش بندی کسی زمانے میں کانچ کے چوکوں سے کی گئی تھی اور بعد میں جب فرش مذکور فرسودہ ہو گیا تو بہت سے چوکے یہاں سے اکھاڑ کر کمرہ (F^1) میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ بے ترتیبی کے ساتھ فرش میں لگے ہوئے ملے ہیں۔

ستوپے کے مشرقی زینے کے قریب ہی بائیں جانب ایک مینار کا زیریں حصہ کھڑا ہے۔ سرکپ کے ستونوں کی طرح غالباً اس مینار کے اوپر بھی کسی زمانے میں شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ (دیکھو صفحہ ۹۸) اور اس میں کلام نہیں کہ اس قسم کے مینار اشوک کے مشہور و معروف میناروں سے نقل کئے گئے ہیں جو اکثر بودھ مذہب کے بڑے بڑے ستوپوں کے قریب قائم کئے جاتے تھے۔

پرودھشنا سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم چیزیں ملی ہیں ان میں صرف چند قندھاری

---

[1] اس زیبائشی کام کو محفوظ رکھنے کی غرض سے مٹی سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔

صورت ہلال یا ترشول سے ملتی جلتی ہے۔ اور بعض کثیر الاضلاع، بادام یا ڈھولنے سے مشابہ ہیں۔ اس ستوپہ نما ڈبیا کی شکل و صورت سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اصل میں کسی اور قدیم عمارت میں رکھی گئی ہوگی۔ اور جب وہ عمارت عدم مرمت کے سبب ویران ہوگئی تو اُس کو اس ستوپے میں لے آئے جس میں وہ اب ملی ہے۔

(۲) ستوپہ (S⁸) کے تبرکات کے خانے سے مٹی کے چار چراغ جو اس کے چاروں گوشوں میں رکھے ہوئے تھے، نیز سنگ صابون کی ایک ڈبیا اور شاکا بادشاہوں معز اور عزیز اول کے عہد کے چار سکے برآمد ہوئے۔ سنگ صابون کی ڈبیا میں سونے کی ایک چھوٹی سی ڈبیا، سونے کے تین سیفٹی پن اور لعل، عقیق، لاجورد اور بلور کے دانے رکھے ہوئے تھے۔ اور سونے کی ڈبیا میں ہڈی اور یاقوت کے دانے، چاندی کے ورق اور مونگے کے ٹکڑے اور ذرہ سی یادگاری ہڈی بند تھی۔ ماہ فروری ۱۹۱۷ء میں لارڈ چیمسفورڈ نائب السلطنت کشورِ ہند نے یہ تبرکات جزیرۂ سیلون (لنکا) کے اہل بودھ کو تحفتہً پیش کئے تھے جنھوں نے شہر کانڈی میں اپنے مندر دلدا مولگوا (مندر دندان بدھ) میں ان کو با احترام تمام رکھا ہے۔

چھوٹے چھوٹے مندروں کا حلقہ

مذکورہ بالا چھوٹے چھوٹے ستوپوں کے بعد ستوپۂ کلاں کے گرد وہ مندر تعمیر ہوئے جو اپنی وضع قطع اور مقصد کے لحاظ سے ان مندروں سے مشابہت رکھتے ہیں جو جمال گڑھی واقع صوبہ سرحد میں برآمد ہوئے ہیں۔ یعنی ان میں اہل بودھ مذہبی تصاویر رکھا کرتے جن کا منہ ہمیشہ ستوپۂ کلاں کی طرف ہوا کرتا۔ آجکل اہل بودھ کے ہاں کسی ستوپے یا اور چیز کو جو اصل میں ثواب کی خاطر بنائی گئی ہو گرانا یا توڑنا بودھ مذہب کے عقائد کے منافی سمجھا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ قدیم زمانے میں بھی اہل بودھ کا یہی خیال تھا

عہد شاکا یعنی اول صدی قبل مسیح کے ہیں۔ ان کے سطحی نقشے ابتداءً گول تھے مگر بعد میں بعض — مثلاً (D³ اور R⁴) — کے گرد مربع یا گول کرسیاں بنا کر ان کی توسیع کر دی گئی۔ ان کی اندرونی چنائی میں انگھڑ پتھروں کی بھرتی ہے۔ اور بیرونی جانب روکار میں چوکور کنجور لگے ہوئے ہیں اور کرسیوں پر گولے اور غلطے کے سوائے اور کسی قسم کا زیبائشی کام ان میں نہیں پایا جاتا۔ ان میں سے بعض ستوپوں کے اندر تبرکات برآمد ہوئے ہیں جو ان کی بنیادوں سے پانچ چھ فٹ نیچے مدفون تھے۔ یہ تبرکات کس قسم کے تھے اس کی توضیح ذیل کی دو مثالوں سے بخوبی ہوسکتی ہے :۔

(۱) ستوپہ (B³) کے تبرکات کا خانہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنا ہوا تھا[۱]۔ اور اس کے اوپر پتھر کی ایک بڑی سل رکھی تھی۔ اس خانے کے اندر سے سنگِ صابون کی ایک ڈبیا اور نہایت عمدہ نیلگوں پتھر کا بنا ہوا ایک چھوٹا سا ستوپہ برآمد ہوا۔ ڈبیا چار انچ اونچی ہے اور خراد پر چڑھا کر بنائی گئی ہے۔ اسکے اندر سے سفید کانسی کی ایک اور ڈبیا بقدر ۱ ½ انچ اونچی نکلی۔ جس کی وضع قطع بالکل ستوپے کی شکل سے مشابہ ہے اور اس کے اوپر ایک چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس چھوٹی ڈبیا کے اندر سے کچھ جلی ہوئی ہڈی اور کچھ راکھ اور سونے، عقیق، موتی اور ہڈی کے چند دانے دستیاب ہوئے۔ نیلگوں پتھر کے چھوٹے ستوپے کے نیچے کی طرف ایک خلا تھا جس میں لعل، بلور، سنگِ سلیمانی، یاقوت، لاجورد، عقیقِ سرخ، سبز جلیسوار، لہسنیا، سیپ، کانچ کہرباج اور ہڈی کے عمدہ عمدہ سوراخدار دانوں اور نگینوں کی ایک خاصی تعداد دستیاب ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض دانے مختلف جانوروں یا پرندوں مثلاً شیر ببر، کچھوے، مینڈک اور راج ہنس کی شکل کے ہیں، بعض کی

---

[۱] یہ ستوپہ اب نظر نہیں آتا۔

چنانچہ ان مندروں کی تعمیر کے وقت چھوٹے چھوٹے ستوپوں کو جو اسوقت موجود مگر بہت خستہ حالت میں تھے اسی طرح رہنے دیا گیا۔ اور اُن کے درمیانی فاصلوں میں بھرتی بھر کر نئے مندروں کی دیواریں اُن کے اوپر تعمیر کر دی گئیں۔

فنِ تعمیر کے نمونے

ان مندروں میں سب سے قدیم مندر پہلی صدی عیسوی کی تعمیر ہیں۔ اور اُن کی چُنائی ایک خاص اور ممتیز طرز کی ہے۔ جس کو **دوپاری** کہتے ہیں۔ یہ طرز غالباً اہلِ فارس یعنی پہلوی لوگ شمال مغرب سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور جس عہد سے ان مندروں کا تعلق ہے اُس زمانے میں اِس طرزِ تعمیر کی خصوصیت یہ تھی کہ کسی قدر گول اور چھوٹے بڑے پتھروں کو ایک دوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھ کر اُن کے درمیانی فاصلوں کو نہایت صفائی اور نفاست کے ساتھ پتھروں کی چھوٹی چھوٹی باریک کتلوں سے بھر دیا جاتا تھا۔ اس طرز کی مثالیں منادر (B⁶ — D¹³ — D⁹ — D⁶ — D⁵ -S⁶ اور S⁵) میں نظر آتی ہیں۔

بمرورِ ایام اس طرز کی عمارات تباہ و برباد ہو گئیں۔ اور اُن کے درمیانی فاصلے خود اُنھی کے ملبے سے بھر گئے۔ اور اُن کے اوپر اصلی فرش سے چند فٹ کی اونچائی پر بالکل نئی طرز کے اور مندر تعمیر کئے گئے۔ فنِ معماری کی یہ تیسری طرز تھی جو اس مقام پر رواج پذیر ہوئی۔ اس طرز میں **دوپاری** اور **تراشیدہ** طرزِ تعمیر مشترک کر دی گئی۔ یہ طرز تیسری چوتھی اور پانچویں صدی میں رائج تھی۔ اور قدیم مندروں کے بالائی حصوں کی مرمت اور نئے مندروں کی تعمیر میں استعمال ہوئی ہے۔ (مثلاً B¹ اور B¹³) میں اس طرز کی ابتدائی مثالوں میں تو ہر رَدّے کے بعد ترشے ہوئے پتھروں کا صرف ایک ہی رَدّہ لگایا جاتا تھا لیکن بعد کی عمارتوں میں دو دو اور تین تین رَدّے بھی لگائے گئے ہیں۔

الغرض ستوپہ کلاں کے گرد ہمیں فنِ تعمیر کی تین بالکل مختلف اور واضح طرزیں

ملتی ہیں (ملاحظہ ہو پلیٹ نمبر ۵) اوّل **شاکا عہد کا ریل یا انگھڑ** نمونے کا کام جس میں پتھر اور کنجور استعمال کئے گئے ہیں۔ دوم نفیس اور باریک **دوپاری طرز** جو عہد پہلوی یعنی پہلی صدی عیسوی میں رواج پذیر ہوئی۔ سوم دوسری صدی میں ہوئی اور بعد کی صدیوں کی وہ **نیم دوپاری نیم تراشیدہ** طرز جس میں کچھ تو دوپاری کام ہے اور کچھ ترشے ہوئے چوکور پتھروں کا۔ ان تین مسلسل طرزوں کی چنائی دھرم راجیکا ستوپہ کی عمارات میں نیز شہر سرکپ اور دیگر مقامات میں بکثرت پائی جاتی ہے۔

ستوپہ کلاں کے گرد منادر سے چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء۔

قدیم چیزیں جو ان مندروں میں سے دستیاب ہوئیں وہ عموماً سب سے بالائی سطح یعنی آخری زمانے کی عمارات کے اندر سے ملی ہیں اور ان میں زیادہ تر چونے اور پختہ مٹی کی مورتیں ہیں۔ جن کی بعض عمدہ مثالیں عجائب خانہ میں موجود ہیں۔

مندر (S⁸) کے جنوب مغربی کونے میں ایک کرسی دار چبوترے کے آثار باقی ہیں۔ جس کی بھرتی میں صرف مٹی بھری ہوئی تھی۔ اس بھرتی میں بہت سی مٹی کی مہریں نکلی ہیں جن پر عہد گپتا کی طرز تحریر میں بودھ مذہب کا کلمہ منقوش ہے جو "یے دھرما ہیتو پربھوا" سے شروع ہوتا ہے۔ اس قسم کی مہریں اکثر بودھ مذہب کے قدیم ستوپوں میں بلکہ بعض اوقات مجسموں میں بھی پائی گئی ہیں۔

پلیٹ نمبر ۴ کے نقشے میں نقطہ دار خطوط دیئے گئے ہیں۔ اُن کی پیروی کرنے سے ہم نے ستوپہ کلاں کے جنوبی دروازے سے پردکھشنا میں داخل ہوکر اوّل ستوپے کا طواف کیا ہے اور پھر اسی دروازے سے باہر نکل آئے ہیں۔

Plate V.

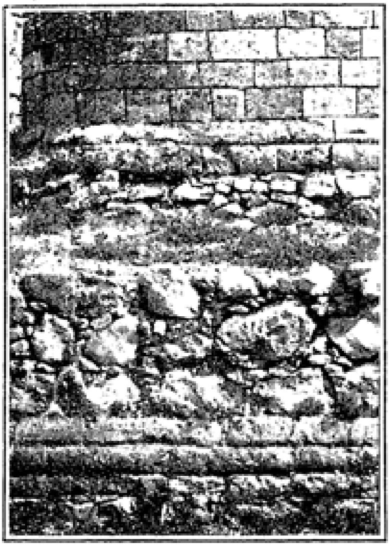

(a)

(b)

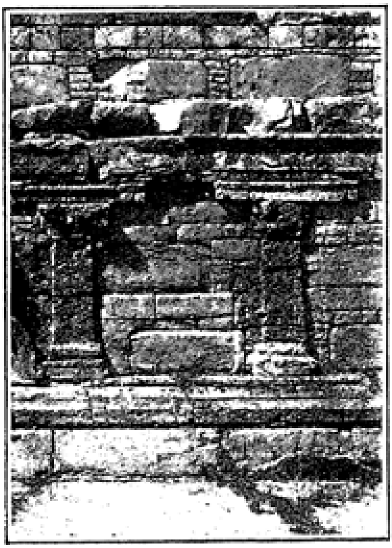

(c)

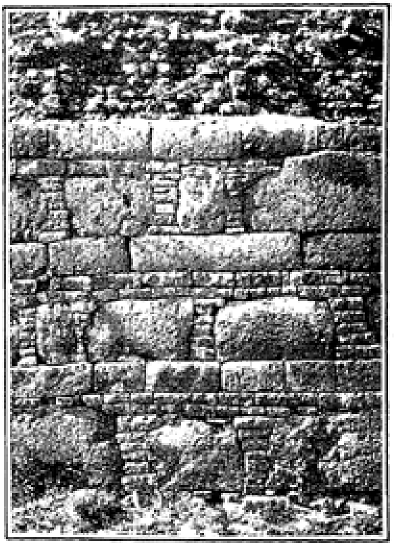

(d)

Consecutive Types of Masonry.

انسانی شکل وصورت کے ستونوں) کے جوڑے ہیں۔ جن کے مضحکہ انگیز انداز اور بعد کے زمانے کی گری ہوئی صنعتِ تجسیم خاص طور پہ قابلِ ملاحظہ ہیں۔

ستوپہ J³ یہاں سے ذرا اور مشرق کی طرف چلیں تو ستوپہ (J³) ملیگا۔ جس کے اندر سے دلچسپ تبرکات دستیاب ہوئے ہیں۔ تبرکات کا خانہ سطح فرش سے دو فٹ اونچا اور عمارت کے عین وسط میں واقع تھا۔ اس میں سے سنگِ صابون کی ایک ڈبیا ملی جو شکل وشباہت میں یونانی صندوق تبرکات سے ملتی جلتی ہے۔ اس کے اندر ایک چاندی کی ڈبیا اور چاندی والی میں ایک چھوٹی سی سونے کی ڈبیا تھی۔ جس کے اندر ہڈیوں کے چند باریک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے۔ سنگ صابون والی ڈبیا میں چند دانے بھی تھے۔ لیکن چونکہ ان کے ساتھ کوئی سکہ نہیں ملا۔ اس لئے ستوپے کی تعمیر کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ اس ڈبیا کی وضع قطع اس ڈبیا سے بہت مشابہ ہے جس کو چند سال ہوئے مصنفِ ہذا نے موضع چارسدہ (ضلع پشاور) میں شزڈھیری سے برآمد کیا تھا اور جس کے ساتھ عہد زالیونیز یعنی اوّل صدی عیسوی کے نصف کا ایک سکہ بھی تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ تبرکات بھی قریب اسی زمانے کے ہوں۔ اگرچہ خود ستوپہ غالباً بعد کے زمانے کا بنا ہوا ہے۔

ستوپہائے (J³ J⁴ J⁵ اور J⁶) کے سامنے سے گذرتے ہوئے ذرا اور شمال کو چلیں تو ہم اسی قسم کے ستوپوں کے ایک اور مجموعے پر پہنچتے ہیں۔ یہ سب شکل میں مربع اور نیم تراشیدہ طرز کے مطابق بنے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے موجودہ بقیات سطح زمین سے بقدر ۳ فٹ یا کچھ کم بلند ہیں

اب اگر ہم اپنی بائیں طرف جائیں تو اپنی دائیں جانب ہمیں ایک اور بڑا ستوپہ نظر آئے گا۔ جس کو نقشے میں (J[1]) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ستوپہ J[1] اس کی کرسی ۴۲ فٹ چار انچ مربع اور تین درجوں میں منقسم ہے جن میں سے ہر درجہ اپنے نیچے والے درجے سے چھوٹا ہے کسی زمانے میں کرسی کے اوپر مدوّر ڈھولنا اور گنبذ اور گنبد کے اوپر چھتری تھی۔ لیکن اب ان چیزوں کے نشانات معدوم ہو چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستوپہ اوّل اوّل دوسری صدی عیسوی کے اخیر یا شاید تیسری صدی کے آغاز میں تعمیر ہوا تھا اور پانچویں صدی میں وسیع پیمانے پر اس کی مرمت ہوئی۔ شمالی جانب کے زیریں درجے کا زیبائش کام قدیم زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کام میں انسانی تصاویر کے مجموعوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے کارنسی ستون بنے ہوئے ہیں، مورتیں چونے کی ہیں اور اسی مصالحہ سے ستوپے کے چاروں روکار مکمل کئے گئے ہیں۔ مورتوں میں دکھایا ہے کہ وسط میں بدھ آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے اور اس کے دونوں جانب ایک ایک خادم کھڑا ہے۔ ستوپے کی مرمت کے وقت ان تصویروں کی حالت بہت خراب خستہ ہو چکی تھی۔ اس لئے اس بالائی افریز کو جو ستونوں کے اوپر بنی ہوئی تھی اپنی جگہ سے نیچا کر کے ان تصویروں کے برابر لے آئے اور بدھ کی ان تصویروں کے کندھوں پر رکھ دیا۔ جن کے سر ضائع ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ مشرقی اور جنوبی پہلوؤں پر چھوٹے چھوٹے ستونوں کا ایک نیا سلسلہ اٹھایا گیا۔ جس کے اوپر افریز اور پرکالوں کے درمیان بریکٹ لگا دیئے گئے۔ ان دونوں پہلوؤں پر بدھ کا کوئی مجسمہ نہیں ہے۔

دوسرے درجے کی زیبائش بھی بظاہر بعد کے زمانے کی مرمت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں یکے بعد دیگرے ہاتھیوں کی قطاریں اور بونوں (یعنی

تصویر کے خط و خال نمایاں کیے گئے ہیں خالص قلعی کے چونے کی ہے بعض ایسی شالیں بھی ملی ہیں جن میں سُرخ رنگ اسوقت تک بُتوں کے لباس پہ موجود ہے اور اس میں کلام نہیں کہ سنہری اور دیگر قسم کے رنگ و روغن بھی ان تصویروں کی آرائش و زیبائش میں استعمال کئے جاتے تھے۔ ان میں سے بعض چھوٹی مورتوں کے پاؤں کی بناوٹ میں حُسنِ ساخت کا بہترین نمونہ نظر آتا ہے۔ تصویروں کے چند سر اور ہاتھ ان مندروں کے سوختہ ملبے میں سے دستیاب ہوئے تھے اُن میں سے ایک سر جو ۱۳ انچ اونچا اور اس زمانے کی رسمی طرز کے مطابق بنا ہوا ہے، غالباً اس مورت کا ہے جو مندر (N17) میں کھڑی ہے۔

ستوپہ N7

یہاں سے ذرا پیچھے ہٹ کر ستوپہ (N6) کے پاس سے ہوتے ہوتے مغرب کی طرف چلیں تو ہم ستوپہ (N7) پہ پہنچ جائینگے۔ یہ ستوپہ کسی قدیم عمارت کے آثار پہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے تبرکات کا خانہ صاف ستھرے کنجوروں کا بنا ہوا ہے۔ اور منجملہ دیگر تبرکات کے اس کے اندر سفید بلور کا ایک شیر اور شیر کے پیچھے سنگ قندھاری کی ایک ڈبیا، جسمیں سفید کانسی کی ایک اور ڈبیا تھی، اور اس میں ہڈی کے چند چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کسی مصنوعی فیگوں مرکب کا ایک چمکدار دانہ اور دو سچے موتی دستیاب ہوئے ہیں۔

ستوپہ (P7) اور (P10) کی درمیانی جگہ میں قندھاری طرز کی ایک شکستہ تصویر پائی گئی جسمیں ایک بندر کو بُدھ کے سامنے شہد پیش کرتا ہوا دکھایا ہے۔ اس تصویر سے ذرا نیچے مٹی کی ایک چھوٹی سی ہنڈیا مدفون ملی جسمیں عہد کشان کے دورِ آخر کے پانچ طلائی سکے۔ سونے کی ایک ٹھوس

ستوپہ (N11) کے اندر سے سُرخ مٹّی کا ایک سادہ گھڑا برآمد ہوا تھا۔ جس میں شاپور ثانی (۳۰۹ئ تا ۳۷۹ عیسوی) کے عہد کے ۱۵ تانبے کے سِکّے رکھے ہوئے مِلے۔ ستوپہ (N15) سے ایک اور مٹّی کا برتن ملا جو بُری طرح شکستہ ہو چکا تھا۔ مگر اس کی مٹّی میں سے مونگے، لاجورد، سیپ اور کانچ کے اٹھارہ دانے مِلے۔ ستوپہ (N9) سے صرف چند دانے دستیاب ہوئے۔

مندر N17—18

اِن ستوپوں سے ذرا اور شمال کو چل کر ایک کشادہ رستہ ملتا ہے۔ جس کے دونو جانب ستوپے اور مندر بنے ہوئے ہیں۔ یہ رستہ اس خانقاہ کی طرف جاتا ہے جو میدانِ مرتفع کے شمالی حصّے میں واقع ہے۔ رستے کے دونوں طرف جو مندر ہیں اُن میں سے (N17) اور (N18) باوجود اپنی خستہ حالت کے اسوقت بھی شاندار ہیں۔ دونوں مندر چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی کی نیم تراشیدہ طرز کے مطابق بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بدھ کی چند مورتوں کے بچے بچائے حصّے ملتے ہیں جن میں صدر کی مورتیں جو دروازوں کے عین سامنے ہیں غیر معمولی قدوقامت کی تھیں۔ مندر (N18) میں جو مجسّمہ تھا اس کے صرف پاؤں اور لباس کا زیریں حصّہ باقی رہ گئے ہیں لیکن پاؤں کی ناپ سے جو ایڑی سے انگوٹھے تک پانچ فٹ تین انچ ہے) اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری تصویر ضرور پینتیس ۳۵ فٹ کے قریب بلند ہوگی۔ اور اس لئے مندر خود چالیس فٹ سے کم اونچا نہ ہوگا۔ ان تصویروں کا اندرونی حصّہ اس زمانے کی اور تصویروں کی مانند، بھدّی سی انسانی شکل کے مطابق کنجور یا چکنی مٹّی یا پتھر اور گارے سے بنایا گیا ہے اور چونے کی استر کاری جس سے

ستوپہ K^3 اور P^6

ستوپہ (K^3) کے اندر سے ایک برتن دستیاب ہوا تھا جس میں کچھ راکھ اور عہد کنشک کے تین سکے رکھے تھے۔ ستوپہ (P^6) بھی بظاہر اسی زمانے کی عمارت ہے۔ جس سے (K^3) کا تعلق ہے۔ اور اسمیں سے بھی ایک مٹی کا ظرف اور ہوشک اور واسودیو کے دس سکے برآمد ہوئے۔ جنمیں سے پانچ سکے اور کچھ راکھ تو برتن کے اندر تھے اور پانچ سکے باہر۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ستوپہ (K^1) کی طرح جو قریب ہی ہے۔ ان ستوپوں کی چنائی بھی نیم تراشیدہ طرز کی ہے جس کے اوپر کنجور کا ردّا رہے۔ حالانکہ ہمارے خیال کے مطابق یہ چنائی دوپاری طرز کی ہونا چاہیے تھی۔

ستوپہ K^1

تالاب کے مغربی پہلو پر ستوپہ (K^1) بھی توجہ کا مستحق ہے۔ اس میں کارنس اور دیگر جزئیات کے علاوہ، جن میں یونانی اثر خاص طور پر نمایاں ہے۔ بدھ کی وہ تصویر بھی قابل دید ہے۔ جو ستوپے کے شمالی پہلو پر طاقچے میں بنی ہوئی ہے۔

ستوپہ (K^1) کی تعمیر سے کچھ عرصہ بعد اس کے شمالی جانب چند چھوٹے چھوٹے کمرے، غالباً مندر، اور بنائے گئے۔ ان کے دروازے شمال کی طرف ہیں اور سب کمرے ایک ہی کرسی پر قائم ہیں۔ کرسی پر چھوٹے چھوٹے ستون اور ستونوں کے درمیانی فاصلوں میں طاقچے ہیں جن میں بدھ کی مورتیں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ طاقچے محرابوں یا ڈھلواں بازو دار دروازوں سے مشابہ اور بعینہٖ اس نمونے کے ہیں جیسے ستوپہ کلاں میں چھترے کے اوپر بنے ہوتے ہیں۔

مرکی جسمیں موتی جڑے ہوئے ہیں۔ چند سادہ یا خیارہ دار طلائی دانے اور سونے کا دندلانے دار حاشیے والا ایک شکستہ زیور تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشیار اسوقت یہاں رکھی گئیں جبوقت متصلہ عمارات گر کر دب دبا چکی تھیں۔

عمارات P¹ اور P²

اس مقام سے کسی قدر جانب غرب عمارات (P¹) اور (P²) کے درمیان ایک تنگ سی گلی ہے۔ عمارت (P¹) تو ابتدائی عہد کشان کا ستوپہ ہے اور (P²) بعد کے زمانے کی طرزِ تعمیر کا مندر۔ درمیانی گلی میں پتھر کی کرسی کے اوپر بدھ کی دو بڑی مورتیں ہیں ان میں بدھ آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے اور اس کے ہاتھ بحالتِ استغراق (دھیان مدرا) گود میں رکھے ہیں۔ افسوس ہے کہ ان تصویروں کے سر ضائع ہو چکے ہیں۔

تالاب

یہاں سے ذرا اور آگے چل کر ہم ایک کھلے میدان میں پہنچتے ہیں جس میں ایک تالاب واقع ہے۔ اس تالاب کے شمالی اور مشرقی پہلوؤں پر چار چھوٹے چھوٹے ستوپے ہیں تالاب کی دیواروں کی چنائی ربل یعنی انگھڑ طرز کی ہے جو شاکا پہلوی زمانے میں رائج تھی۔ شمالی جانب پختہ سیڑھیاں لگی ہیں جو تالاب کی تہ تک چلی گئی ہیں (K²) اور (K³) ستوپوں کی بنیادیں اس زینے کے بالائی سرے سے آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ یعنی زینے کا ایک حصہ ان کے نیچے دبا ہوا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تالاب مذکور ان ستوپوں کی تعمیر سے قبل ہی غیر مستعمل ہو کر ملبہ مٹی سے بھر گیا تھا۔

اور سامنے برآمدے تھے' اور ایک طرف **مجلس خانہ** نعمت خانہ اور باورچی خانہ بنے ہوئے تھے۔ یہ خانقاہ کئی مرتبہ برباد ہو کر دوبارہ بنائی گئی مگر موجودہ عمارات عہد وسطیٰ کے اوائل کی بنی ہوئی ہیں۔ ان عمارات میں انسانوں کے چند پنجر بھی ملے جو غالباً ان راہبوں اور راہبات کے ہونگے جن کو اہل ہُن نے پانچویں صدی عیسوی میں' جب کہ انھوں نے ٹیکسلہ کو تباہ کیا، قتل کیا ہوگا۔

عمارت H¹ اس میدان سے نیچے اُتریں تو دائیں طرف مندر (H¹) واقع ہے، یہ مندر غالباً اِس غرض سے تعمیر کیا گیا تھا کہ اس میں بدھ کی ایسی مورت رکھی جائے' جو اس کی مرتے وقت کی حالت کا نقشہ پیش کرے اس عمارت کی تعمیر میں تین مختلف طرز کی چنائی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تین مختلف زمانوں میں تکمیل کو پہونچی تھی۔ قدیم مندر یعنی اصلی عمارت کی چنائی **انگھڑ** طرز کی ہے جو **شاکا پہلوی** عہد میں رائج تھی۔ لیکن بعد از ان **دوپاری** طرز کی دو دیواریں اس میں اور ایزاد کی گئیں۔ ایک تو مندر سے بالکل ملحق اور اس کے استحکام اور توسیع کی غرض سے اور دوسری پردکھشنا اور ڈیوڑھی کے گرد احاطہ کرنے کے لیے۔ کچھ عرصے کے بعد جب سطح زمین چند فٹ اونچی ہوگئی تو مندر کی عمارت میں کچھ اور اضافے کیے گئے جن کی چنائی **نیم تراشیدہ** طرز کی ہے اور ان سے بھی کچھ عرصہ بعد بعض دیگر تبدیلیاں عمل میں آئیں۔ اس عمارت سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان میں سب سے دلچسپ یونانی بادشاہ **زوائیلس** کے عہد کے کھوٹی چاندی کے ۲۸ سکے ہیں جو قدیم مندر کی بنیاد کے نیچے سے دستیاب ہوئے تھے۔

دو گڑھے M⁴ یہ دونوں گڑھے چونہ ملانے کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ اور ان کی دلچسپی کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان سے قندھاری

نظارۂ گرد و نواح

اِس مقام کے شمال میں ایک بلند میدان ہے جس پر چڑھ کر اِن عمارتوں کا اور گرد و نواح کا نظارہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ (پلیٹ ۷) جس وقت میں نے اول اول اس جگہ کھدائی شروع کی تو ستوپہ کلاں کے گرد کے رقبے کی سطح اس میدان کی بالائی سطح سے کچھ ہی نیچے تھی۔ اور اگر اب ہم اس میدان کے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ہمیں ملبے کی مقدار کا معقول اندازہ کر سکینگے جو اشیا نے حفریات میں ان عمارات کو آشکار کرنے کیلئے یہاں سے اٹھانا پڑا ہے۔ خود ستوپہ کلاں کے گرد جس جگہ تک یہ ملبہ چڑھا ہوا تھا اس کا نشان عمارت کے پہلوؤں پر صاف نظر آتا ہے۔

آجکل (۱۹۳۴ء میں) جو عمارتیں اس میدان میں کھدائی کرنے سے برآمد ہو رہی ہیں وہ ایک نہیں بلکہ کئی خانقاہوں کے آثار ہیں جو ایکدوسرے کے کھنڈرات پر بنائی گئیں اور اپنے اپنے زمانے میں ستوپہ کلاں سے متعلق تھیں۔ اگر ہم اس وادی کی اور بلندیوں کی طرف نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے بہت سی بلندیوں پر قدیم کھنڈرات کے سلسلے واقع ہیں اور ہر سلسلے میں پہلو بہ پہلو ایک گول اور ایک مربع ٹیلہ نظر آتا ہے۔ انہیں مدور ٹیلے کے نیچے تو عموماً کسی ستوپے کے کھنڈرات اور مربع ڈھیر کے تلے کسی خانقاہ کے آثار دبے ہوئے ہیں۔ بعینہٖ یہی حالت دھرمراجیکا ستوپے کی تھی جو ٹیکسلہ میں اپنی قسم کی سب سے بڑی عمارت سمجھی جاتی تھی۔ یہاں بھی ستوپے کی مقدس عمارت کے قریب ہی پجاریوں اور بھکشوؤں کی رہائشی ضروریات کا کماحقہٗ انتظام کیا گیا تھا۔ اور جو حصہ اس خانقاہ کا برآمد ہوا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا نقشہ بھی اسی نمونے کا تھا جیسے ٹیکسلہ میں اس زمانے کی اور خانقاہوں کا جو موہڑہ مرادو جولیاں وغیرہ میں تعمیر ہوئی تھیں۔ یعنی اس میں بھی کئی کھلے مربع صحن تھے۔ جن کے گرد دو منزلہ حجروں کی قطاریں

Plate VI.

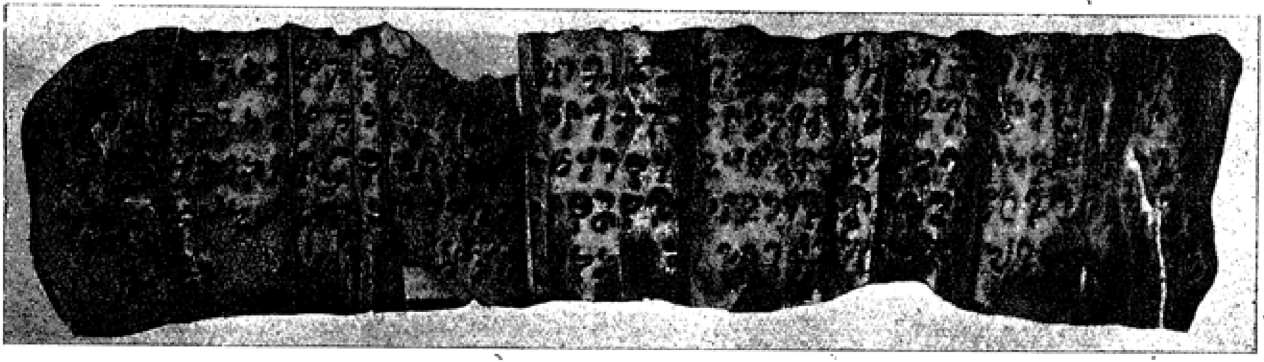

Dharmarajika Stupa: Silver Scroll Inscription and transcript.

صنعت کے زمانے کا کسی قدر پتہ چلتا ہے۔ انکے فرش میں قندھاری طرز کی مورتیں لگی ہوئی ملی ہیں جو فرش پر الٹی جما دی گئی تھیں۔ اور انکے نیچے کی طرف ابھرواں تصاویر کے نشان اب تک موجود ہیں۔ چونکہ فرش میں لگائے جانے سے قبل یہ نقش بہت فرسودہ اور خستہ ہو گئے تھے اس لیئے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ان تصویروں کی تکمیل اور گڑھوں کی تعمیر کے درمیان، جو اپنی دیواروں کی چنائی کی بنا پر چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کافی زمانہ یعنی ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ عرصہ گذرا ہوگا۔ اسی قسم کی شہادت کمرہ (B^{17}) سے بھی دستیاب ہوئی ہے جو ستوپہ کلاں کے مشرقی جانب واقع ہے۔

منادر G^{1} تا G^{8}

(G^{1}) سے (G^{6}) تک جو مکانات کا پیچ در پیچ سلسلہ ہے وہ دراصل چند مختلف زمانوں کے مندر ہیں جن کی طرز تعمیر بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ عمارتی نقطۂ خیال سے تو یہ مندر چنداں قابل التفات نہیں لیکن مندر (G^{5})، خاص توجہ کا مستحق ہے اسلیئے کہ اس میں سے ایک ایسی دلچسپ یادگار دستیاب ہوئی جو ہندوستان سے برآمد شدہ آثار کے بہترین زمرے میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ یہ یادگار مندر کی عقبی دیوار کے قریب، جو ستوپہ کلاں کے سامنے ہے، اصلی فرش سے ایک فٹ نیچے ملی اور سنگ صابون کی بنی ہوئی ایک ڈبیہ کی صورت میں ہے جسکے اندر ایک چاندی کی ڈبیا اور آخرالذکر میں چاندی کا ایک لکھا ہوا پترا اور ایک سونے کی ڈبیا ملی جس میں ذرا سی ہڈی رکھی ہوئی تھی۔ پتھر کی وہ سل جو اس امانت کے اوپر رکھی گئی تھی ایام قدیم ہی میں چھت کے گر جانے کے باعث ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور اسی صدمہ سے سنگ صابون کی اور چاندی کی

ڈبیاں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ لیکن سونے کی ڈبیا کو کچھ نقصان نہیں پہونچا تھا۔ پتھرے کے کنارے کے چند ٹکڑے بھی ٹوٹ گئے تھے مگر خوش قسمتی سے وہ سب کے سب وہیں سے مل گئے (پلیٹ نمبر۶)۔ اس پتھرے پر جو کتبہ کندہ ہے وہ کھروشٹی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے اور سنہ ۱۳۶ (مطابق ۷۹ء) کا ہے اس میں تحریر ہے کہ یہ ہڈیاں بدھ کی ہیں۔ کتبے کی قرأت اور ترجمہ حسب ذیل ہیں :۔

قرأت :۔ سطر اوّل۔ سَ ۱۰۰۔ ۲۰۔ ۱۰۔ ۴۔ ۱۔ ۱۔ اَیسَ اَشاڑَس ماسَس دِوَسے ۱۰۔ ۴۔ ۱۔ اِشا دِوَسے پرِدِسٹھ وِیتَ بھگَوتو دھاتو [او]
اُورَ [سَ]

سطر دوم۔ کینا [اِم] تَصرِیا پُترِنَ بہلینَ نوآچاے نگرے دستوینَ تینَ اِمے پرِدِستوِیت بھگَوتو دھاتو اُو دھمرا۔

سطر سوم۔ تچھیے تنُووائے بودھی ستواگہا می مہاراجسَ راجتِی راجسَ دِوَ پُترسَ کھشانسَ اروگدا چھنائے۔

سطر چہارم۔ سَرو بُدّھن پیائے پراچیک بُدّھن پیائے اراہ [ت] ن پیائے سَروس [توا] نَ پیائے ماتا پتو پیائے متر مچ نیٹس

سطر پنجم۔ لوہی [ت] نَ پیائے اتمانو اروگدا چھنائے نیانائے ہونو اُ [یِ] اے سَمپِری چگو۔

ترجمہ :۔

"سن ۱۳۶ عزیزی ماہ اساڑھ کی پندرہویں۔ اس دن مقدس ہستی (بدھ) کی ان ہڈیوں کو اُورسک باختری نے جو انتغریا[1] کے

---

[1] شاید اِنتغرنیز ہو۔ مگر اس لفظ کی قرأت مشکوک ہے۔

ہوئے تھے۔ اسکے اندر ایک اور چھوٹی طلائی ڈبیا تھی جس میں سونے کے ورق اور سوختہ ہڈی کے ڈو ٹکڑے تھے۔

مندر R^1 ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ چھوٹے گول ستوپے (R^4) کی تعمیر کے بعد اس کی چند بار ترمیم و توسیع ہوئی۔ چنانچہ پہلا اضافہ جو اصلی عمارت پر کیا گیا وہ خوبصورت تراشے ہوئے کنجوروں کے ایک مربع چبوترے کی صورت میں ہوا جس کو کارنتھی طرز کے نازک ستونوں اور ایک سادہ دندانے دار کارنس سے مزین کیا گیا تھا۔ اسکے بعد وہ دو مربع چوکیاں بڑھائی گئیں جو اس چبوترے کے مغربی جانب بنی ہوئی ہیں۔ اور ساتھ ہی ستوپے کے شمال مغربی اور جنوب مغربی گوشوں سے دو چھوٹی چھوٹی دیواریں سیدھی باہر کو کھینچکر مغربی دیوار کے سامنے ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی بنا دی گئی اور کچھ عرصے کے بعد مغرب کی طرف اور اضافہ کر کے اس ڈیوڑھی یا مندر کو دو چند کر لیا گیا۔ اس عمارت میں خاص توجہ کے قابل قندہاری طرز کی وہ خستہ مگر خوش تناسب ابھرواں تصویریں ہیں جو چوکیوں اور بغلی دیواروں کے درمیان طاقچوں میں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مجموعے میں جو جنوبی چوکی کے جنوبی رُخ پر بنا ہے۔ اسوقت کا منظر دکھایا ہے جب کہ گوتم بُدھ **کپل وست** سے روانہ ہوا ہے۔ بُدھ کے ہمراہ گرز بردار (وجر پانی) بھی ہے جس کی تصویر ایسے موقعوں پر قندہاری نقوش میں عام طور پر بنائی جاتی تھی۔ دوسرے مجموعے میں جو شمالی چوکی کے شمالی رُخ پر ہے۔ بُدھ کے گھوڑے کنتھک کو اپنے آقا سے رخصت ہوتے ہوئے دکھایا ہے۔ دیکھئے جانور شہزادہ گوتم کے قدموں کو بوسہ دینے کے لیے جھکا ہوا ہے اور ایک طرف چنڈک سائیس اور ایک اور شخص اور دوسری طرف "گرز بردار" کھڑے

کہنے سے ہے اور فی الحال قصبہ نواچہ میں آباد ہے' محفوظ کیا۔ اسنے مقدس ہستی کی ان ہڈیوں کو اپنے بنائے ہوئے بودھی ستوا مندر نزد دھرماجیکا ستوپہ واقع ٹیکسلہ میں محفوظ کیا۔ کہ اس سے بادشاہ اعظم، شاہ شاہان' آسمان کے فرزند' شاہ کشان کو صحت کلی نصیب ہو۔ اور بطور اعزاز سب بدھوں' اکیلے اکیلے بدھوں، اراہٹوں' اور تمام اہل ادراک ہستیوں اور اپنے ماں باپ' دوستوں' صلاحکاروں' اور اعزا و اقربا کے' اور نیز اس غرض سے کہ خود بانی کو صحت نصیب رہے۔ کاش تیرے اس فیاضانہ نذرانے کی برکت سے تجھے کامل نجات میسر ہو جائے"۔

G' کے ظرف متبرکات

کمرہ (G) کے سب سے بالائی فرش پر بہت سے تراشے ہوئے کنجور کے جو اصل میں کسی چھوٹے ستوپے کے اجزا تھے یہ پتھر فرش پر ایسے بے طرح بکھرے پڑے تھے کہ ان کو نئے سرے سے ترتیب دیکر ستوپے کی وضع قطع معلوم کرنے کی کوشش محض بے سود تھی۔ اُن میں کنجور کی ایک سل کے اندر سے سنگ صابون کی بنی ہوئی "آثار" رکھنے کی دو ڈبیاں برآمد ہوئیں جن میں سے ایک کے اندر ہاتھی دانت کی ایک چھوٹی سی ڈبیا تھی اور ہاتھی دانت کی ڈبیا میں ایک بہت چھوٹی سی سونے کی ڈبیا جس پر بیڈول سی ہندسی اور پھول پتی کی تصویریں منقش تھیں۔ سونے کی ڈبیا میں جلی ہوئی ہڈی کا ایک ٹکڑا، ایک طلائی دانہ، اور مختلف جسامت اور شکل کے بہت سے چھوٹے چھوٹے موتی رکھے تھے۔ دوسری ڈبیا میں سے جو یونانی "صندوق متبرکات" کی ہم شکل تھی، چاندی کی ایک چھوٹی ڈبیا برآمد ہوئی جس پر بھدّے سے نقش بنے

اس نظارے کو دیکھ رہے ہیں۔

ان تصویروں کے علاوہ چونے اور مٹی کی مورتوں کے بیشمار سر بھی اس ملبے میں سے برآمد ہوئے جو اس مندر کے اندر اور اسکے گرد جمع ہو گیا تھا۔

عمارت۔ L

عمارت (L) جو مندر (R^1) کے قریب ہی جنوب میں واقع ہے۔ دراصل دو کمروں والا مندر تھا۔ اور ایک بلند کرسی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ جسکے شمالی جانب ایک زینہ تھا۔ اسوقت اس عمارت کی صرف کرسی کی دیواریں باقی رہ گئی ہیں۔ جو اخیر پہلوی یا ابتدائی عہد کشان میں دوپاری نمونے پر تعمیر ہوئی تھیں۔ لیکن عمارت کے آس پاس سے بہت سی قندہاری تصاویر ملی ہیں جو مختلف زمانوں میں بنیں اور مختلف اوقات میں بطور نذرانے کے اس مندر میں رکھی گئی تھیں۔

لیکن باوجودیکہ قندہاری تصاویر کی بہت بڑی تعداد اس مقام سے دستیاب ہوئی ہے۔ ان پر شاذ و نادر ہی کوئی تحریر پائی جاتی ہے۔ اور اگر کسی پر ہے بھی تو بالکل جزوی اور شکستہ۔ ان میں سب سے دلچسپ وہ تحریر ہے جو پتھر کے ایک چراغ پر کھروشٹی حروف میں کھُدی ہوئی ملی ہے اور جس میں لکھا ہے کہ "یہ (چراغ) بھکشو دہرمداس نے دھرمراجیکا ستوپے کے احاطے واقع تکشہ شِلا (ٹیکسلا) میں نذرانے کے طور پر رکھا تھا۔"

قوسی مندر I^2 زمانۂ قدیم میں دھرمراجیکا ستوپے کے مغربی حصے میں سب سے اہم اور شاندار تعمیر غالباً اس محرابی مندر یا چیتیا کی عمارت تھی، جہاں پیروان بدھ عبادت کی غرض سے جمع ہوا کرتے۔ یہ عمارت عہد کشان میں تعمیر ہوئی اور بڑے دوپاری نمونے کی جو طرز عمارت (L) میں اختیار کی گئی تھی۔ وہی اس کی تعمیر میں بھی استعمال ہوئی ہے شکل و شباہت میں اس مندر کا عام نقشہ بہت کچھ ان چیتیا ایوانوں سے

Plate VII.

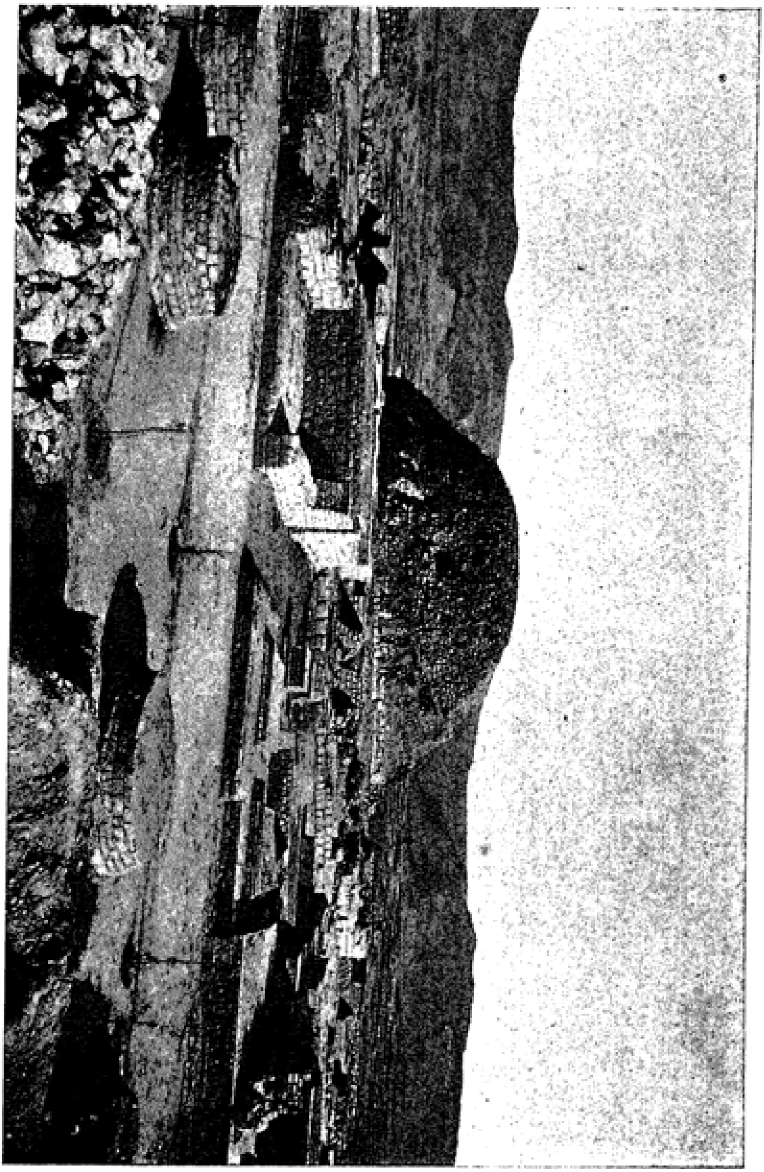

View of Dharmarajika Stupa from North.

کی خانقاہ کی ایک کوٹھری میں بھی ملا ہے جس کی بالائی عمارت جوں کی توں موجود ہے۔ (دیکھئے صفحہ ۱۳۵)

کمرہ (F1) میں کانچ کے چوکوں کا فرش لگا ہوا تھا جو چمکدار کانچ کے بنے ہوئے اور بالاوسط ۱/۴ ۱۰ انچ مربع اور ۱/۸ ۱ انچ موٹے ہیں۔ ان میں سے اکثر چوکے تو نیلگوں رنگ کے ہیں مگر بعض سیاہ، سفید، اور زرد رنگ کے بھی ہیں۔ ہندوستان کے ان آثار و عتایق میں حفریات کے ذریعے منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ یہ فرش اپنی قسم کا پہلا مکمل نمونہ ہے اور اس ضمن میں اس چینی روایت کا حوالہ بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا، جس میں مذکور ہے کہ "شیشہ سازی" کی صنعت ملک چین میں شمالی ہند سے آکر رواج پذیر ہوئی تھی۔ جس بے احتیاطی اور لاپرواہی سے یہ چوکے اس کمرے کے فرش میں لگے ہوئے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداً جس مقام کی آرایش ان کے ذریعے کرنی مقصود تھی وہ کوئی اور ہی جگہ تھی اور بہت ممکن ہے کہ وہ ستوپۂ کلاں کا پردکھشنا ہو۔

دہرمراجیکا ستوپہ دیکھنے کے بعد، جو صاحب پیدل چلنا پسند نہ کریں یا جنکے پاس وقت کم ہو وہ اپنی سواری کے ذریعے عجائب خانہ کو واپس آئیں اور وہاں سے شہر سرکپ اور ستوپۂ کنال دیکھیں۔ ورنہ اس رستے سے جو دہرمراجیکا ستوپہ کے شمال کو ہے، اور رہتھیاں کے پہاڑی درے میں سے گذرتا ہے، پیدل کنال ستوپہ کو جائیں اور اس کو دیکھنے کے بعد شہر سرکپ کی طرف اُتر جائیں اور شہر کو دیکھ کر شمالی دروازے کے باہر اپنے ٹٹو یا تانگے میں جا بیٹھیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر وقت کافی اور پیدل

مشابہ ہے جو مغربی اور وسطی ہندوستان میں، کارلی، اجنٹا، ایلورہ وغیرہ مقامات میں، پہاڑوں کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس مندر کے توسی ضلع کا اندرونی رُخ بجائے گولاہی دار ہونے کے ہشت پہلو ہے۔ محرابی حصے کے وسط میں ایک ہشت پہلو ستوپے کے بقیات ملے ہیں، جو کنجور پتھر کا بنا ہوا تھا۔ اور ستوپے کی کُرسی کی سطح سے ۲½ فٹ نیچے ایک فرش ملا ہے جو یقیناً مندر کی تعمیر سے پہلے بنایا گیا تھا۔ مندر کے درمیانی مستطیل حصے کے آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ محض رستے کا کام دیتا تھا جس کا عرض مثمن کے ایک ضلع کے برابر تھا اور اسکے دونوں جانب نہایت سنگین دیواریں بنی ہوئی تھیں۔ اس مندر کی خاص دلچسپی کا باعث یہ ہے کہ اس نمونے کی چند ہی عمارات ہندوستان میں پائی جاتی ہیں۔ اور شمالی ہند میں تو جسقدر عمارات آج تک برآمد ہوئی ہیں۔ ان میں یہ مندر اپنی طرز کی پہلی عمارت ہے۔ اگرچہ اس کی دریافت کے بعد اسی قسم کا اور اس سے بھی زیادہ شاندار مندر شہر سرکپ میں برآمد ہوا ہے۔ (دیکھئے صفحات ۱۰۵ تا ۱۰۸)

مندر E و F¹ اس نواح کی قابل ذکر عمارات میں اب صرف ان چند کمروں (E اور F¹) کا ذکر باقی رہ گیا ہے جو میدان مرتفع کے مغربی کنارے ایک چار فٹ اونچی کرسی پر واقع ہیں، جسکے مشرقی جانب زینہ بنا ہے۔ کمرہ ہائے (E¹) و (E²) میں دو گول ستونوں کی سنگین بنیادیں ملی ہیں جو کرسی کی سطح سے دس فٹ نیچے جاتی ہیں اور بظاہر کسی وزندار بالائی عمارت کے استحکام کی غرض سے اسقدر نیچے سے اٹھائی گئی تھیں۔ بالکل اسی قسم کا ایک ستوپہ موہڑہ مرادو

باب ۵

وادیٔ گڑی میں بودھ عمارات کے آثار

جائے وقوع **دھرماجیکا** ستوپہ سے مشرق جنوب مشرق کو نظر دوڑائی جائے تو کوئی دو میل کے فاصلہ پر دو بستیاں **خرم پراچہ** و **خرم گوجر** مارگلہ کی پہاڑی کے دامن میں پناہ گزیں نظر آتی ہیں۔ دونو بستیوں کے درمیان ایک پتھریلا رستہ پہاڑوں کے بیچ میں سے گذرتا ہوا ایک وادی میں پہنچتا ہے جو دور سے نظر نہیں آتی اور پھر ایک پہاڑی نالے کے رستے سے گڑی کے میدان میں پہنچتا ہے۔ جہاں سرے ہی پر عمدہ شیریں پانی کا ایک چشمہ اور اس کے قریب ہی کسی بزرگ کا مزار ہے۔ اس میدان سے اوپر مارگلہ کی پہاڑیاں جنوبی جانب تو کوئی ڈیڑھ ہزار فٹ اونچی ہیں۔ مگر باقی تین طرف چار پانسو فٹ سے زیادہ بلند نہیں۔ اب گڑی جیسا مقام جو دُنیا سے الگ تھلگ، تیز و تند ہواؤں سے محفوظ اور عمدہ شیریں آب رواں سے سیراب ہو، ظاہر ہے کہ اہلِ بودھ کے لئے ناقابلِ ضبط دلکشی کا باعث ہوا ہوگا۔ اِس لئے اگر ہمیں یہاں ستوپوں اور خانقاہوں کے دو بڑے مجموعے نظر آتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان میں سے ایک مجموعہ تو چشمے سے ذرا اوپر ایک چبوترے پر واقع ہے اور دوسرا کوئی پاؤ میل اس کے مغرب میں ایک نشیب مقام پر۔ مگر گڑی کی دلچسپی ان ستوپوں اور

چلنے کی ہمت ہو تو ذرا لمبی سیر کر لیں یعنی کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے مواضع **خرم پراچہ** اور **خرم گوجر** کے پرے **گڑھی** کے پہاڑی نشیب میں جو اہل بُودھ کی دلچسپ عمارات ہیں۔ انھیں بھی جاکر دیکھ لیں۔ دوسری صورت میں کنال ستوپہ تک کا پیدل رستہ جو ذرا پتھریلا اور ناہموار ہے قریباً آدھے گھنٹے میں طے ہوگا۔ لیکن دہرمراجیکا ستوپہ سے **گڑھی** کا فاصلہ تین میل سے کم نہیں۔

خانقاہوں تک ہی محدود نہیں۔ وادی کے جنوب میں اور وادی اور گڑھی کے میدان کے درمیان ایک چٹیل پہاڑی ہے جو شرقاً غرباً پانسو گز لمبی ہے اور شمالاً جنوباً کوئی ڈھائی سو گز ہو گی۔ یہ اصل پہاڑی سے علیحدہ کھڑی ہے اور اس کے مغرب میں ایک بہت گہرا نالہ، جنوب میں ایک کشادہ نشیب، مشرق میں ایک زین نما قطعہ اور شمال میں اونچی اونچی کھڑی چٹانوں اور پہاڑی کے ڈھالو پہلوؤں کا سلسلہ ہے۔ گویا یہ مقام قدرتی طور پر بہت محفوظ و مامون ہے اور ایام قدیم میں مزید استحکام کی غرض سے اس کے گرد ایک برجوں والی فصیل بنائی گئی تھی۔ جس کا کوئی ساڑھے پانسو گز لمبا ٹکڑا اس وقت بھی شکستہ حالت میں مشرقی سرے پر موجود ہے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جابجا پہاڑی کی چوٹی پر مغربی جانب نظر آتے ہیں۔ اس فصیل کے جنوبی ضلعے کی دیوار دس گیارہ فٹ موٹی ہے اور اس کے روکار کی چنائی بعد کے زمانے کی نیم تراشیدہ طرز کی ہے۔ جنوب مشرقی گوشے کے قریب ہی ایک تنگ سا دروازہ ہے۔ فصیل کے بیرونی جانب، خاصکر کونوں میں، معیّن فاصلوں پر نیم دائرے کی شکل کے برج ہیں اور دیوار کے ساتھ ساتھ ایک چبوترہ چلا گیا ہے جو غالباً پشتے کا کام دیتا تھا تاکہ دیوار کی جڑ کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ سامنے کی جنوب والی پہاڑی پر جو فصیل تھی اس کے بہت چھوٹے سے حصے کے نشانات اس وقت ملتے ہیں۔ جس جگہ یہ دیوار کھڈ کو عبور کرتی ہے اور کھڈ کے پار بھی کوئی 180 فٹ کی لمبائی تک تو جہاں سے فصیل مشرق کو مڑتی ہے، یہ نشان بہت صاف ہیں۔ لیکن اس سے آگے دیوار کی جائے وقوع غیر یقینی ہو جاتی ہے۔ تاہم اتنا تو صاف ظاہر ہے کہ کھڈ کے اوپر مغرب میں جو پانی کا چشمہ ہے اس کو ضرور اس دیوار نے اپنے حلقے میں لیا ہو گا اور یہ

Plate VIII.

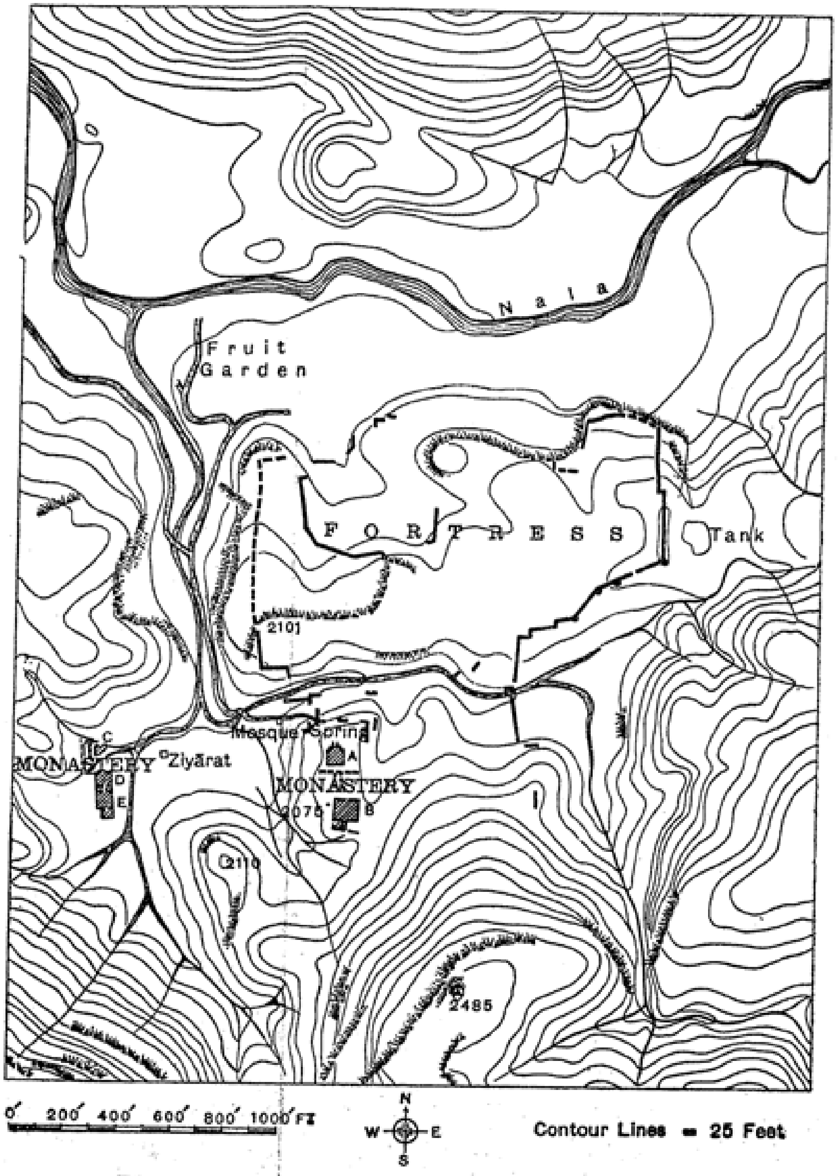

Plan of the Fortress and Monasteries of Giri.

بھی اغلب ہے کہ خانقاہ (A) اور (B) والا قبہ بھی اس میں شامل ہوگا اس مستحکم فصیل نے جس پہاڑی کے گرد احاطہ کیا ہے اس کی چوٹی چٹیل اور ناہموار ہے اور مٹی کا اس پر نشان بھی نہیں ملتا۔ سکنی مکانوں اور دوسری عمارتوں کے نشانات تو اس چوٹی پر بکثرت پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ قلعہ کچھ زمانے تک آباد رہا ہو، تو مٹی کے برتنوں کی ٹھیکریاں وغیرہ اس کثرت سے نہیں ملتیں جیسی کہ ملنی چاہئیں۔ ان وجوہ کی بنا پر اور نیز اس مقام کی دوری کی بنا پر خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ قلعہ ضرورت کے وقت خاصکر ان کثیر التعداد راہبوں کے لئے جو **دھرماجیکا** اور قرب و جوار کی خانقاہوں میں رہا کرتے، جائے پناہ کا کام دیتا ہوگا۔ خرّم کی وادی میں **دھرماجیکا** ستوپہ اور اس کے نواح کے ٹیلوں پر اور ذرا اور مشرق کو ایک کوڑی سے زیادہ خانقاہوں کے آثار ملتے ہیں اور شمالی اور جنوبی پہاڑیوں پر اور بہت سی خانقاہیں تھیں۔ یہ بھی اغلب ہے کہ ہتھیال کی دور افتادہ شاخوں پر یعنی جولیاں موہڑہ مرادو، بجران وغیرہ میں جو خانقاہیں ہیں ان کے مکین بھی، جن کو حملے کے وقت **سرسکھ** میں جگہ نہ مل سکتی، اس گرڑی کے قلعے میں پناہ لیتے ہونگے۔ یہ قلعہ پانچویں صدی عیسوی کا بنا بنا ہوا ہے۔ اور اس صدی میں ٹیکسلہ اور اس کے نواح میں بودھ راہبوں، بھکشوؤں اور بھکشنیوں کی تعداد دسیوں ہزار ہوگی۔ مانا کہ یہ لوگ حملے کے وقت اکثر شہر ہی میں پناہ لیتے ہونگے۔ تاہم اگر وہ بطور خود گرڑی جیسے مضبوط قلعے میں اپنی حفاظت کا سامان بھی کرتے تو اُن کے پاس ایسا کرنے کے قوی وجوہ تھے۔ اس لئے کہ ایک تو اس قلعے پر حملہ آور اپنی پوری طاقت اور شدت کے ساتھ حملہ نہیں کرسکتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ عند الضرورت یہ لوگ یہاں سے کوہ مری کی اونچی پہاڑیوں کی طرف آسانی بھاگ کر جان بچا سکتے تھے۔ پانچویں صدی کے آخری حصے میں جبکہ سفید ہن شمالمغربی ہند کو

پامال کر رہے تھے، اہل بودھ اکثر مجبور تھے کہ ہر نئے دن کے حملوں کے شدائد سے بچنے کا انتظام کریں اور گرڈی کے اس قلعے کی موجودگی اس امر کی کافی شہادت بہم پہنچاتی ہے کہ اس زمانے کے بھکشو لوگ بھی ایک مستقل خطرے کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے۔

خانقاہ A-B

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ گرڈی کی خانقاہوں (پلیٹ ۸ و ۹) کے دو مجموعوں میں سے بڑا مجموعہ (A-B) چشمے سے ذرا اوپر ایک چبوترے سے پر واقع ہے۔ شمالاً جنوباً یہ مجموعہ ۱۲۰ گز طویل اور شرقاً غرباً ۷۰ گز عریض ہے۔ اس میں شمالی جانب ایک بڑا ستوپہ ہے اور جنوبی جانب خانقاہ ہے جس میں چاروں طرف بیس حجرے ہیں۔ ان دونوں عمارتوں کے درمیان کھدائی کرنے سے متعدد دیواریں برآمد ہوئی ہیں جو غالباً مندروں والے صحن سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگرچہ کھدائی ابھی مکمل نہیں ہوئی اور تیقّن کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ستوپہ ۴۲ فٹ مربع اور ۱۵ فٹ اونچا ہے مگر بہت شکستہ حالت میں ہے اس کی اندرونی چنائی حسب معمول بڑے بےڈول نمونے کی ہے؛ روکار پر کنجور کی چنائی ہے اور اس پر چونے کا پلستر ہے۔ ستوپے کی کرسی عمارت کی لمبائی چوڑائی اور بلندی وغیرہ کے لحاظ سے غیر متناسب یعنی صرف ڈیڑھ فٹ اونچی ہے۔ اور کارنتھی نمونے کے ستون اور ایک آرائشی بند اس کرسی کو مزین کرتے ہیں، دیواریں غالباً بالکل سادہ تھیں۔ کیونکہ ستوپے کے گرد کھدائی کے اثنا میں چونے کی مورتوں کے شکستہ ٹکڑے بالکل نہیں ملے۔

اس ستوپے کی خانقاہ (B) خلاف معمول اچھی حالت میں ملی ہے۔ خاصکر اس کا جنوبی ضلع تو بہت ہی محفوظ حالت میں ہے۔ چنائی نیم تراشیدہ طرز کے ادنیٰ نمونے کی ہے۔ اور نقشہ بھی جہاں تک صحنِ کلاں کا تعلق ہے حسب معمول یعنی اور

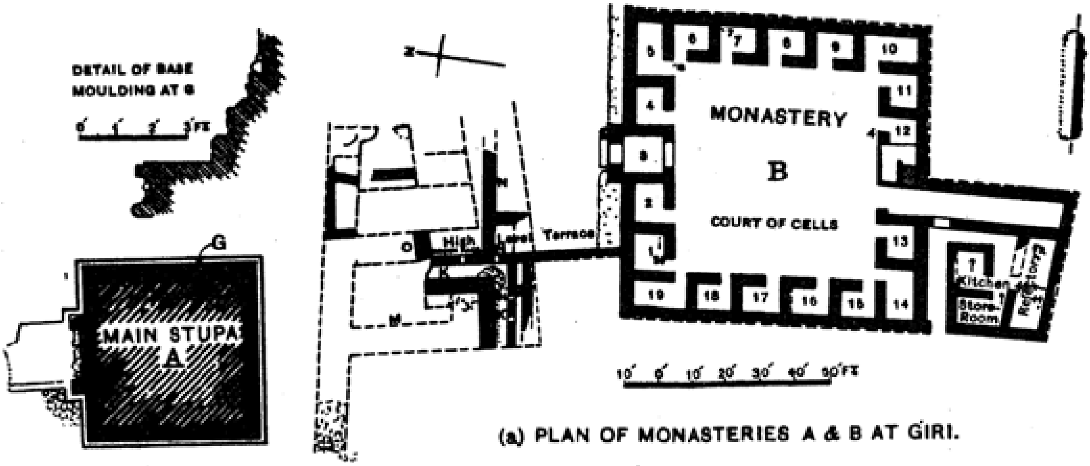

(a) PLAN OF MONASTERIES A & B AT GIRI.

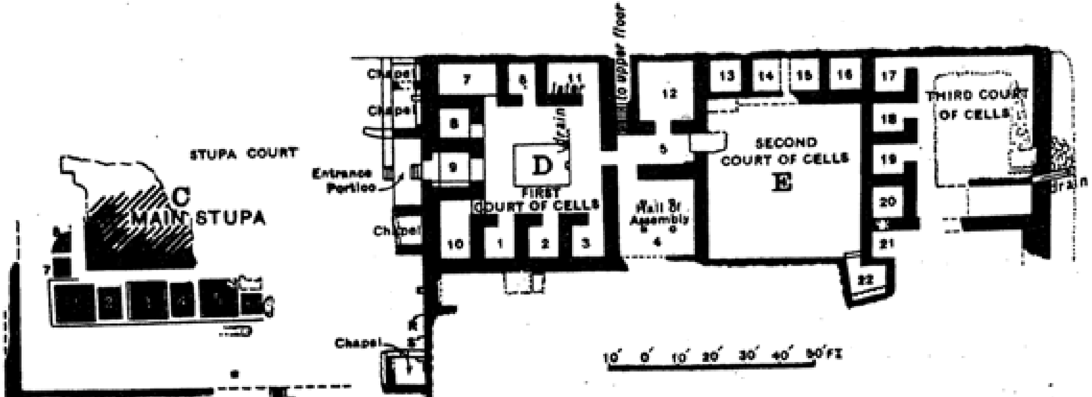

(b) PLAN OF MONASTERIES C, D & E AT GIRI.

خانقاہوں سے ملتا جلتا ہے۔ صحن کے گرد ۱۸ حجرے ہیں اور بعض حجروں کی دیواروں میں طاقچے بھی ہیں۔ شمالی ضلعے کے بیچ میں ڈیوڑھی ہے اور جنوبی جانب ایک راستہ ہے جو غالباً باورچی خانے، کھانے کے کمرے اور زینے کی طرف جاتا ہے۔ خانقاہ کے اس آخری حصے کا نقشہ کچھ غیر معمولی سا ہے۔ اس زمانے کی اور خانقاہوں میں (مثلاً جولیاں اور موہڑہ مرادو میں) حجروں والے صحن کے علاوہ ایک ایک مجلس خانہ، باورچی خانہ، نعمت خانہ اور انبار خانہ بھی ہوتا ہے۔ مگر گری کی اس خانقاہ کی تعمیر کے وقت جگہ کی قلت اور چٹان کی ناہمواری کی وجہ سے مشکلات پیش آئیں۔ مثلاً حجرہ ہائے نمبر ۱۰-۱۱-۱۲ (دیکھو نقشہ) کے عقب میں جہاں مجلس خانہ بننا چاہیے تھا ناہموار چٹانیں ہیں جن کو کاٹ کر دور کرنا بے حد محنت کا کام تھا۔ اس مشکل کو اس طرح حل کیا گیا کہ چٹانوں کے اردگرد پہلی منزل کی اونچائی تک بھرائی کر دی اور پھر ان کے اوپر مجلس خانہ تعمیر کر لیا گیا۔ اگرچہ اب اس کے تمام نشانات مٹ چکے ہیں۔ اسی طرح مجلس خانے اور بالائی منزل کے حجروں میں براہ راست پہنچنے کے لئے مذکورہ بالا رستے کے مشرقی جانب ایک زینہ بنا دیا گیا۔ زیریں رستے کے اوپر جو چھت بنائی گئی وہ لداؤ کی قسم سے تھی جس کی گولائی ہر ردے کو اس کے نیچے والے ردے سے آگے کو بڑھا کر حاصل کی گئی۔ دو ردے اس لداؤ کے اس وقت بھی موجود ہیں اور جنوبی جانب ایک روشندان بھی موجود ہے۔ جس کے ذریعے روشنی اور ہوا اس چھتے کے اندر داخل ہو سکتی تھیں۔ چھتے کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس کی خشکہ دار کمان اب تک موجود ہے۔ اس دروازے سے باورچی خانے اور کھانے کے کمرے میں داخل ہو سکتے تھے۔ کھانے کا کمرہ خلاف معمول بہت چھوٹا ہے۔ یعنی اس میں صرف پچیس تیس راہب بیٹھ کر کھانا کھا سکتے تھے۔ باقی دونوں کمرے معمولی حجروں سے مشابہ ہیں مگر

خانقاہ کے شمال میں موجود ہے۔ اس بقیہ نشان سے اتنا پتہ ملتا ہے کہ ستوپے کی کرسی ساٹھ فٹ مربع تھی اور شمالی ضلع کے وسط میں ایک زینہ اوپر جانے کے لئے بنا تھا۔ ہر ضلع کا روکار کارنس تھی ستونوں کی ایک قطار سے مزین تھا جو ایک گولہ دار روّے پر قائم اور چونے کی تصویروں سے آراستہ تھے۔ ستون، کارنس اور گولہ سب کنجور کے بنے ہوئے ہیں اور درمیانی دِلہوں میں نیلے پتھر کی دو پاری طرز کی چنائی ہے۔ جس کی مرمت نیم تراشیدہ طرز کے مطابق ہوئی ہے۔ اندرونی چنائی خالص اَنگھڑ پتھر کی ہے۔ ستوپے کی جڑ میں مغربی جانب چونے کی مورتوں کی کافی تعداد کم وبیش خستہ حالت میں دستیاب ہوئی۔ جن کی طرزِ ساخت قریب قریب ویسی ہی ہے جیسی جولیاں اور موہڑہ مرادو میں زمانہ مابعد کے بتوں کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تصویریں ستوپے کی تجدید وترمیم کے وقت بنائی گئی ہونگی۔ ان میں ایک بُدھ کی دیو قامت تصویر کا سَر ہے جو مغرب کی طرف عمارات نمبر ۲ و ۳ کے درمیان پڑا ہوا ملا تھا۔ اور شمالمغربی گوشے سے تیسری تورح کے سامنے ایک بہت بڑے بُت کا ہاتھ ملا۔ جو ممکن ہے کہ مذکورہ بالا بدھ کے بُت کا ہاتھ ہو۔ ایک اور بُت جب پہلے کھود کر نکالا گیا تو کارٹون سا معلوم ہوتا تھا کیونکہ ایک پورے قد کے بُت کا سَر ستوپے کے ڈھولنے سے گر کر بالکل قدرتی انداز سے ایک چھوٹے بُت کے کندھوں پر آلگا تھا۔ جس سے ایک عجیب متسخر آمیز صورت پیدا ہوگئی تھی۔

بڑے ستوپے کے شمالی اور مغربی ضلعوں کے متوازی، شمالمغربی گوشے میں چند حاشیہ کی عمارات ہیں۔ جن پر نقشے میں ایک سے ۸ تک نمبر دیئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے نمبر ہائے ۱-۳-۵-۶-۷ و ۸ معمولی نمونے کے چھوٹے چھوٹے نذری ستوپے ہیں جیسے جولیاں وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

ان کی جائے وقوع سے اس بارے میں کوئی شک نہیں رہتا کہ ان میں سے ایک باورچی خانہ تھا اور دوسرا برتن وغیرہ دھونے کے کام آتا تھا۔ حجرہ نمبر ۱۹ کے جنوب میں ایک رستہ ہے جو ایک چھوٹے سے بغلی دروازے کو جاتا ہے۔ ایسا ہی رستہ خانقاہ جولیاں میں باورچی خانہ والے کمروں کے ساتھ بھی نظر آتا ہے۔

ستوپوں کے صحن اور خانقاہ کے درمیان جو عمارتیں تھیں اُن کا تھوڑا سا حصّہ صاف ہوا ہے اور اس کا بھی سطحی نقشہ ابھی تک نہیں بنا۔ ان عمارتوں سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء برآمد ہوئی ہیں ان میں لوہے کی کیلیں اور پتیاں، قبضے، کونیاں، تیروں کے پھل، سوئیاں اور ایک درانتی، تانبے کے چھلّے، گھنٹیوں کی دستیاں، سرمہ لگانے کی سلائیاں، کانچ اور ہاتھی دانت کی چوڑیاں اور پتھر کے بنے ہوئے مالا وغیرہ کے دانے شامل ہیں۔

خانقاہ C—D—E

دوسری خانقاہ CDE میدان کے مغربی سرے پر ایک بلند چبوترے کے اوپر واقع ہے۔ پہاڑی کا ڈھلوان پہلو اس چبوترے کے مغرب میں آ ملتا ہے اور جنوب اور مشرق میں ایک پہاڑی نالے کا رستہ ہے۔ اس قسم کے نواح میں عمارات کا محفوظ رہنا صریحاً ممکن نہ تھا۔ کیونکہ نالہ چبوترے کے مشرقی حصّے کا ایک بہت بڑا ٹکڑا بہالے گیا۔ اور بالائی پہاڑی کے ڈھلوان پہلو سے جو طوفانی بارشوں کی رَو سال بسال آتی رہی اس نے ستوپوں والے صحن کو بیچ میں سے کاٹ کر دو حصّے کر دیا۔ اس خانقاہ کی طرز تعمیر بھی بڑی خانقاہ سے مختلف ہے۔ یعنی اس کی چنائی زیادہ تر دو پاری طرز کی ہے جو اخیر پہلوی یا ابتدائی کشانی عہد میں رائج تھی۔ مگر بعد کے زمانے میں وسیع پیمانے پر اس خانقاہ کی مرمّت ہوئی اور اس مرمّت کی چنائی نیم تراشیدہ طرز کی ہے۔ بڑے ستوپے کا تین چوتھائی سے زیادہ حصّہ تو طغیانیوں سے تباہ ہو چکا ہے اور ایک چوتھائی سے کچھ کم

باب ۶

ستوپہ کنال

ستوپے کی تعیین

ملک چین کا مشہور سیاح ہوان چوانگ جس زمانے میں ٹیکسلا پہنچا اس وقت شہر سرکپ کو غیر آباد ہوئے پانچ صدی سے زیادہ وقفہ گذر چکا تھا۔ اور اس کی فصیل اور عمارات یقیناً کھنڈر بن چکی تھیں۔ جس شہر میں یہ سیاح مقیم ہوا وہ آجکل سرسکھ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کی حدود میں عہد وسطیٰ کی بیشمار عمارات کے آثار پائے جاتے ہیں۔ شہر کے مضافات میں اہل بودھ کی چار مشہور یادگاریں تھیں جن کا اس سیاح نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو ناگ راجہ ایلپتر کا تالاب تھا۔ دوسرے وہ ستوپہ جو خاص اس مقام پر واقع تھا جہاں بُدھ کی پیشگوئی کے مطابق چار عظیم الشان خزانوں[1] میں سے ایک خزانہ اُسوقت آشکار ہوگا جب میتریا دُنیا کا آخری بُدھ بن کر آئے گا۔ تیسرے "ہدیۂ سر" والا ستوپہ جس کو راجہ اشوک نے پایۂ تخت یعنی ٹیکسلا سے ۱۲ یا ۱۳ لی یعنی دو سوا دو میل جانب شمال تعمیر کرایا تھا۔ اور چوتھے وہ ستوپہ جس کی نسبت مشہور ہے

---

[1] جن چار خزانوں کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔ خزانہ ایلپتر واقعہ ملک قندھار۔ خزانہ پانڈک واقعہ مِتھل (یعنی موجودہ صوبہ بہار کا ترہُت ڈویژن) خزانہ پنگل واقعہ ملک کالنگ یعنی اُڑیسہ۔ اور خزانہ سنک واقع کاشی۔

کہ ان کی تحریریں بالکل نہیں پڑھی جاتیں - ان میں مقامی (ٹیکسلائی) سکوں کے علاوہ عزیز، عزیز دوم، واشپ درما، ہرمایس، کیڈفائیس، سوٹرمیگس، کنشک، ہوشک، واسودیو، شاپور ثالث اور ہرمزد ثانی کے سکے شامل ہیں۔ ان سکوں سے ایک بات خاص طور پر واضح ہوتی ہے - وہ یہ کہ خانقاہ کی تباہی کے وقت ملک کے اس حصے میں مختلف قسم کے سکے جو صدیوں پہلے چلا کرتے رائج تھے ۔

Plate X.

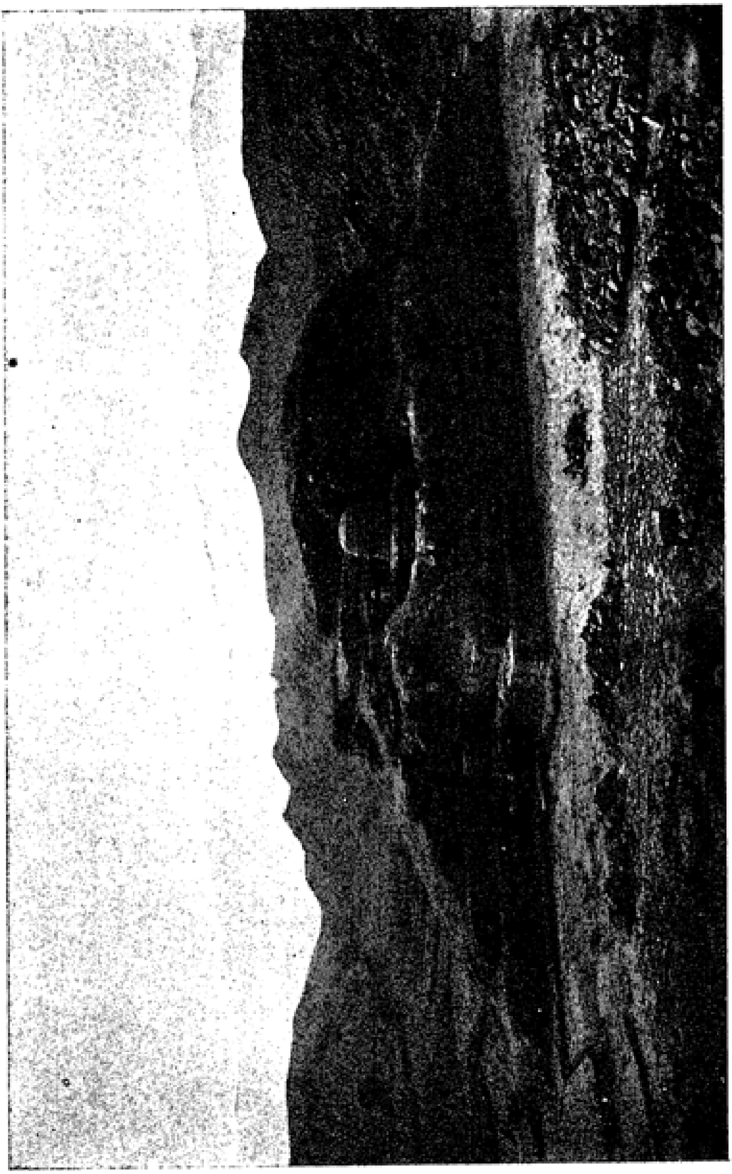

View of the Kunala Stupa from N. W.

کہ راجہ اشوک نے اس مقام پر بطور یادگار تعمیر کرایا تھا جہاں اس کے بیٹے کنال
کی آنکھیں نکالی گئی تھیں۔ ان میں سے پہلی اور دوسری یادگار کی تطبیق مدت ہوئی
جنرل کننگھم صحیح طور پر کر چکے تھے۔ ایلپتر کا متبرک تالاب تو حسن ابدال میں واقع
اور آجکل پنجہ صاحب کے نام سے مشہور ہے۔ اور دوسری یادگار وہ شکستہ ستوپہ
ہے جو موضع باؤلی پنڈ کے قریب پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ لیکن باقی ماندہ دو
ستوپوں کی جائے وقوع کا پتہ لگانے میں جنرل کننگھم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔
اور یہ ہونا بھی تھا۔ اس لئے کہ جنرل موصوف کے ذہن میں یہ غلط خیال بیٹھ گیا تھا کہ
ہوان چوانگ جس شہر میں جاکر اترا وہ بھڑ کے میدان پر واقع تھا۔ لیکن اب چونکہ
ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو چکا ہے کہ ٹیکسلا کا سب سے پہلا شہر بھڑ اور سب سے آخری
سرسکھ میں آباد تھا اس لئے یہ نتیجہ نکالنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی کہ
"ہدیہ سر" والا ستوپہ بجز بھلڑ ستوپے کے اور کوئی نہیں ہوسکتا جو سرکڑا
پہاڑی کی انتہائی مغربی شاخ کی چوٹی پر واقع ہے اور شہزادہ کنال کی مصیبت کی
یادگار اغلبًا وہ ستوپہ ہے جو شہر سرکپ کے جنوب میں ہتھیال کے شمالی پہلو پر
واقع اور جائے وقوع کی شان کے لحاظ سے بھلڑ ستوپے سے کسی طرح کم نہیں
اس لئے کہ یہاں سے شہر سرکپ اور تمام وادی ہرو کا نہایت دلکش نظارہ
دکھائی دیتا ہے (دیکھئے پلیٹ ۱۰)

اس ستوپے کے ذکر کے دوران میں ہوان چوانگ بیان کرتا ہے کہ وہ
ایک سو فٹ سے زیادہ بلند اور جنوبی پہاڑی کے شمالی پہلو پر شہر ٹیکسلا سے
جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس کا بیان ہے کہ نابینا اشخاص اس ستوپے پر
قوت بینائی کی بحالی کے لئے دعا مانگنے آتے ہیں اور اکثر شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔
اس کے بعد ہوان چوانگ نے وہ روایت بیان کی ہے جو شہزادہ کنال کے متعلق

مشہور ہے یعنی یہ کہ کنال کی سوتیلی ماں تشیر کھشتا کو اس سے تعشق ہوا اور (کنال کے انکار کرنے پر) اس نے راجہ اشوک کو دم دلاسا دیکر کنال کو ٹیکسلہ کا نائب السلطنت مقرر کرا کر بھجوایا، کچھ عرصے کے بعد رانی نے شہنشاہ کے نام سے ایک جعلی مراسلہ لکھا جس میں کنال کو چند ایک الزامات کا مورد گردان کر حکم دیا گیا کہ اس کی آنکھیں نکال لی جائیں، اور ایسے وقت میں جبکہ راجہ اشوک نہایت گہری نیند میں سو رہا تھا۔ اس کے دانتوں کی مُہر اس حکمنامہ پر لگائی۔ اس حکمنامے کے ٹیکسلہ پہنچنے پر امرار و وزرار اس بارے میں متامل ہوئے۔ مگر شہزادے نے خود اصرار کیا کہ اس کے باپ کے احکام کی تعمیل میں سر مو فرق نہ آنے پائے۔ اس طرح آنکھیں نکلوانے کے بعد شہزادہ مع اپنی بیوی کے آوارہ و سرگردان بھیک مانگتا اپنے باپ کے دور دراز دار السلطنت (پٹنہ صوبہ بہار) میں پہنچا۔ جہاں اس کے باپ نے اس کی آواز اور اس کی بانسری کی الاپ سے اس کو پہچان لیا۔ ہوان چوانگ لکھتا ہے کہ بے رحم اور کینہ پرور رانی کو قتل کر دیا گیا اور شہزادے کی بینائی گھوش نامی ایک ارہٹ کی دُعا سے بودھ گیا میں اُسے پھر واپس مل گئی۔ وہ جنوبی پہاڑی جس کا ہوان چوانگ نے

لہ کنال اور تشیر کھشتا کا یہ قصہ ہیپولائی ٹس اور فیڈرا کے یونانی قصے سے بہت ملتا جلتا ہے اور ممکن ہے کہ اہل ہند نے یہ قصہ یونانی ادبی روایات سے اخذ کیا ہو۔ اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ شمال مغربی ہند میں جو مخلوط یونانی آباد تھے وہ اس قسم کی روایات سے بخوبی آشنا تھے۔ مثال کے طور پر مینی گون کے ناٹک کو لیجئے جسکی تصویر ایک قدیم برتن پر بنی ہوئی ملی ہے جو پشاور سے دستیاب ہوا۔ علاوہ ازیں اس قصے کی بعض روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اشوک نے اپنے بیٹے کو رانی تشیر کھشتا کے کہنے سننے سے نہیں بلکہ وزیر سلطنت کے مشورے اور امن قائم کرنے کی غرض سے ٹیکسلہ بھیجا تھا۔ اور بعض روایات کے مطابق شہزادہ اپنے گھر آ کر مر گیا اور آنکی بینائی درست ہونے کی کرامت کا قصہ بالکل بے بنیاد ہے۔ شہزادے کا اصلی نام دھرم وی وردھن تھا۔ اس کا باپ اُسے کنال کے نام سے اس لئے پکارا کرتا کہ اسکی آنکھیں ہمالیہ میں رہنے والے پرند کنال کی آنکھوں کی طرح چھوٹی چھوٹی اور نہایت خوبصورت تھیں۔ شہزادے کی آنکھوں کا ضائع ہونا در اصل (یعنی ہندو اور بودھ اعتقاد کے مطابق) اسکے ان بد اعمال کا نتیجہ تھا جو کسی گذشتہ زندگی میں اس سے سرزد ہوئے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے پانسو ہرنوں کو اندھا کیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق اس نے ایک ارہٹ (رشی یا ولی) کی آنکھیں نکلوا دی تھیں اور کتاب اودان کلپ لیتا کے بموجب ایک چیتیا یا ستوپے کی آنکھیں یعنی تبرکات نکال لئے تھے۔ گھوش اس رشی کا نام تھا جس کی دعا سے کنال کو اس کی بینائی واپس ملی۔ یہی نام اس ضلع کے ایک معالج کا بھی تھا جو آنکھوں کے علاج میں خاص شہرت رکھتا تھا ⁂

جس زمانے میں وادی کے دوسری جانب بھلاڑ ستوپہ تعمیر ہوا تھا۔ اور اگر ہم ان کثیر التعداد عمارتی اجزاء سے اندازہ لگائیں جو کسی وقت بالائی عمارت میں مستعمل تھے اور اب کرسی کے آس پاس ملبے میں دبے ہوئے ملے ہیں تو نہایت آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ستوپہ کنال کے ڈھولنے اور گنبد کی بلندی سراسر بھلاڑ ستوپے کے ڈھولنے اور گنبد کی اونچائی سے ملتی جلتی تھی۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ ڈھولنا شکل میں گول، عمارت کے طول وعرض کے لحاظ سے نسبتہً بہت زیادہ بلند اور چھ یا سات درجوں میں منقسم تھا جن میں سے ہر ایک اپنے نیچے والے درجے سے کسی قدر چھوٹا تھا۔ یہ درجے ستونوں، افریزوں اور دندانے دار کارنسوں سے قریب قریب اسی طرح مزین تھے جس طرح چبوترے کی کرسی۔ بھلاڑ ستوپے اور اس زمانے کے دیگر ستوپوں کے اندر کھدائی کرنے سے معلوم ہو چکا ہے کہ تبرکات کا خانہ گنبد کے بالائی حصے میں بنایا جاتا تھا۔ اور ستوپہ کنال کا خانۂ تبرکات بھی ضرور اوپر ہی بنا ہوگا۔ کیونکہ کرسی کے اندر یا نیچے کسی ایسے خلا کا نشان نہیں پایا گیا۔

اس عمارت کی قابلِ ذکر خصوصیت اس کی کرسی کی نفیس مجوف گولائی ہے بمثلاً اگر مشرقی پہلو کو ایک خطِ مستقیم میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ناپا جائے تو وہ ۴۰ فٹ دس انچ طویل ہوگا لیکن یہ خطِ مستقیم کرسی کے اصلی خط سے مطابقت نہیں کھاتا جو آہستہ آہستہ کرسی کے مرکز کی جانب اندر کو ہٹتا ہے۔ یہاں تک کہ قوس اور وتر کے درمیان تین انچ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ یہ امر تو مسلم ہے کہ ستونوں کے درمیانی حصوں کی خفیف موٹائی اور دوسرے خطوں کی خفیف گولائی خواہ وہ خط افقی ہوں یا عمودی یونانی فنِ تعمیر میں بکثرت رائج تھی اور اس سے مقصد یہ ہوا کرتا کہ ان ظاہری نقائص کی اصلاح کی جائے جو دیکھنے میں بھدے معلوم ہوتے ہیں اور عجب نہیں کہ یہ خیال بھی دوسری یونانی خصوصیات کے ساتھ جنھوں نے ٹیکسلہ اور شمال مغربی ہند کے فنِ تعمیر پر اپنا لازوال اثر چھوڑا ہے، مغربی ایشیاء سے آکر یہاں رواج پذیر ہوا ہو۔ لیکن اگر یہ امر واقعی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لطیف عمارتی اصول

ذکر کیا ہے ہتھیاں کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ پہاڑی وادی ہیرو کو جنوب کی طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور اس کی شمالی جانب سب سے نمایاں ستوپہ وہ ہے جو اس کی شمالی شاخ پہ شہر سرکپ کی پرانی فصیل کے کھنڈرات کے عین اوپر واقع ہے۔ لیکن اگر ہوانِ چوانگ کی بیان کردہ سمت کو صحیح مانا جائے تو ہمیں کنال ستوپہ کے لئے موہڑہ مرادو کے نواح میں تلاش کرنی چاہیئے۔ مگر اس بڑے ستوپے کی جو شہر سرکپ کے مشرقی استحکامات پہ واقع ہے، ستوپہ کنال سے مطابقت کرنے میں ہمیں نے دو امور کو مدِنظر رکھا ہے۔ اول تو اس ستوپے کی وسعت اور اس کا شاندار محلِ وقوع۔ اور دوسرے یہ امر کہ ہوان چوانگ کے سفرنامے میں جو سمات وجہات دی ہوئی ہیں وہ اکثر غلط ثابت ہوئی ہیں۔

کیفیت یہ ستوپہ ایک مستطیل کرسی پر قائم ہے جو شمالاً جنوباً ۱۰۵ فٹ ایک انچ طویل اور شرقاً غرباً ۶۳ فٹ نو انچہ عریض ہے اور اس کی شمالی جانب ایک پختہ زینہ بنا ہوا ہے۔ کرسی تین درجوں میں اٹھائی گئی ہے۔ سب سے نیچے کا درجہ خوبصورت مجوف اور محدب حاشیوں اور کارنتھی وضع کے چھوٹے چھوٹے ستونوں سے مزین ہے۔ جن کے اوپر ابتدائی دندانے دار کارنس اور سر دل تھے اور ستونوں کے پرکالوں اور کارنسوں کے درمیان ہندوانی وضع کی دندانے دار ٹوڑیاں تھیں۔ درمیانی درجہ بالکل سادہ ہے مگر اس پر چونے کا پلستر ہے۔ تیسرے یعنی سب سے اوپر کے درجے پہ قریب قریب اسی قسم کا کام تھا جیسا سب سے نیچے والے درجے پر۔ لیکن وہ آخرالذکر سے تین حصے زیادہ بلند تھا۔ اور اس کے حاشیے ساز اور ستونوں کے اوپر کے کارنس وغیرہ بھی اسی نسبت سے بھاری اور منقش تھے۔

اس یادگار کی بالائی عمارت میں سے صرف اندرونی بھرتی کا ایک حصہ اب تک اپنی اصل جگہ پہ قائم ہے۔ لیکن کرسی کی وضع قطع اور اس کی زیبائشی جزئیات کی طرزِ ساخت اس امر میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں کہ ستوپہ کنال بھی اسی زمانے کی تعمیر ہے۔

اور اُن کے ساتھ ہی بہت سے حجرے بھی ضائع ہو گئے۔ اِسی طرح ہال کا جنوبی حصہ بھی برباد ہو چکا ہے۔ یہ ہال غالباً جماعت خانہ تھا اور اس کی بربادی بظاہر قدیم زمانے میں وقوع میں آئی۔ کیونکہ اصل عمارت کی دیواریں بہت بھاری تھیں اور بعد میں جو دیواریں ان کی بجائے تعمیر ہوئیں وہ کمزور ہیں اور انگھڑ پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بعد کی دیواریں پرانی دیواروں کے ٹھیک اوپر نہیں بلکہ ذرا شمال اور مشرق کو ہٹا کر بنائی گئی ہیں جس سے ہال کا رقبہ بہت مختصر ہو گیا ہے۔ اگر اس خانقاہ میں نعمت خانہ اور باورچی خانہ وغیرہ تھے تو وہ جماعت خانے کے مغرب میں واقع ہونگے۔

کو جس پر یہ خیال مبنی ہے اِس ستوپے کے معماروں نے صحیح طور پر سمجھا ہی نہ تھا۔ کیونکہ کرسی کی مجوّف گولائی بجائے نقص کی اصلاح کرنے کے اُس کو اور نمایاں کرتی ہے۔

اس ستوپے کو میں تیسری یا چوتھی صدی عیسوی سے منسوب کرتا ہوں لیکن یہ ستوپہ اصلی اور قدیم عمارت نہیں کیونکہ اس کے اندر شمالمغربی گوشے کی طرف ایک اور چھوٹا ستوپہ دبا ہوا ملا ہے جس کی طرزِ ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشا کا پہلوی زمانے میں اُسوقت تعمیر ہوا تھا جبکہ فصیلِ شہر کا وہ حصّہ جو ستوپے کے مشرقی پہلو کی جانب ہے صحیح و سالم کھڑا تھا۔ یہ پرانی عمارت ایک چھوٹی سی چٹان پر واقع، ۹ فٹ ۸ انچ بلند اور انگھڑ پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ نیچے ایک مربع کرسی اور اوپر ڈھولنا اور گنبد ہیں اور گنبد پر ایک چھتری بھی تھی جو اب ضائع ہو چکی ہے۔ ستوپے کی ناہموار چُنائی پر ابتداءً چونے کی لپائی کی گئی تھی جس پر حاشیے اور دیگر زیبائشی نقش و نگار بنائے گئے تھے لیکن اب یہ پلستر ضائع ہو چکا ہے۔

خانقاہ کنال ستوپے کے مغرب میں، مگر اس سے کسی قدر بلند سطح پر، ایک وسیع اور مستحکم خانقاہ نیم تراشیدہ طرز پر بنی ہوئی ہے جو صریحاً اس زمانے کی عمارت معلوم ہوتی ہے جس زمانے میں بیرونی ستوپہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی دیواریں جو ۱۳ سے ۱۴ فٹ تک بلند ہیں اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ خانقاہ میں ایک بڑا صحن جانب شمال اور ایک بڑا ہال جانب جنوب ہے۔ خانقاہ کی بیرونی دیوار جو ستوپے کے بالمقابل ہے، اس کی مجموعی لمبائی ۱۹۲ فٹ ہے اور بڑے صحن کا عرض قریباً ۱۵۵ فٹ۔ بڑا صحن حسب معمول مربع ہے اور اس کے وسط میں ایک مستطیل آنگن ہے۔ جس کے چاروں طرف کرسی دار برآمدے اور حجرے ہیں۔ حجروں میں چراغ وغیرہ رکھنے لئے معمولی طاقچے بنے ہوئے ہیں۔

صحن کی مغربی جانب کی دیواریں پہاڑی کے پہلو سے پھسل کر سراسر گر چکی ہیں۔

باب ۷

سرکپ

شہرپناہ

جیساکہ ہم پہلے (صفحہ ۷۔۸) بیان کرچکے ہیں، باختری یونانیوں کے پنجاب کو فتح کرنے کے بعد جلد ہی یعنی دوسری صدی قبل مسیح کے ابتدا ہی میں ٹیکسلا کا شہر بھڑ سے اجڑ کر سرکپ میں آبسا تھا، اور بعد کی یعنی شاکا، پہلوی اور کشانی سلطنتوں کے عہد میں ویم کیڈفائیس کے زمانے (یعنی اختتام اوّل صدی عیسوی) تک برابر اسی مقام پر آباد رہا۔ یونانی سلطنت کے زمانے میں شہر کے استحکامات صرف مٹی کے تھے۔ اور ان کے احاطے میں بعد کی سنگی فصیل کی نسبت اس سے کہیں زیادہ رقبہ تھا۔ اس قدیم فصیل کا ایک حصہ مندر جنڈیال کے ذرا جنوب مغرب میں، جہاں بابر خانہ کا نشیب رقبہ تمرا نالے سے آملتا ہے، اسوقت موجود ہے۔ بعد کی سنگی فصیل شروع کے شاکا بادشاہوں میں سے کسی نے غالباً ازیز اوّل نے قریباً ۵۰ قبل مسیح میں تعمیر کرائی تھی۔ اس بادشاہ کو غالبً فصیل کا محیط بہت بڑا اور بتکلیف دہ محسوس ہوا اور اس نے شہر کے اندر کی متعدد عمارات کو مسمار کرکے اس کے دور کو مختصر کردیا۔ اور نئی فصیل ان عمارتوں کے آثار کے اوپر سے گذار دی گئی۔ چنانچہ ان عمارتوں کی بنیادیں شہر کے شمالی دروازے کے مغرب میں فصیل کے نیچے اس وقت بھی نظر آتی ہیں۔ شاکا عہد کی دیگر عمارات کی طرح یہ شہر پناہ بھی

Plate XI.

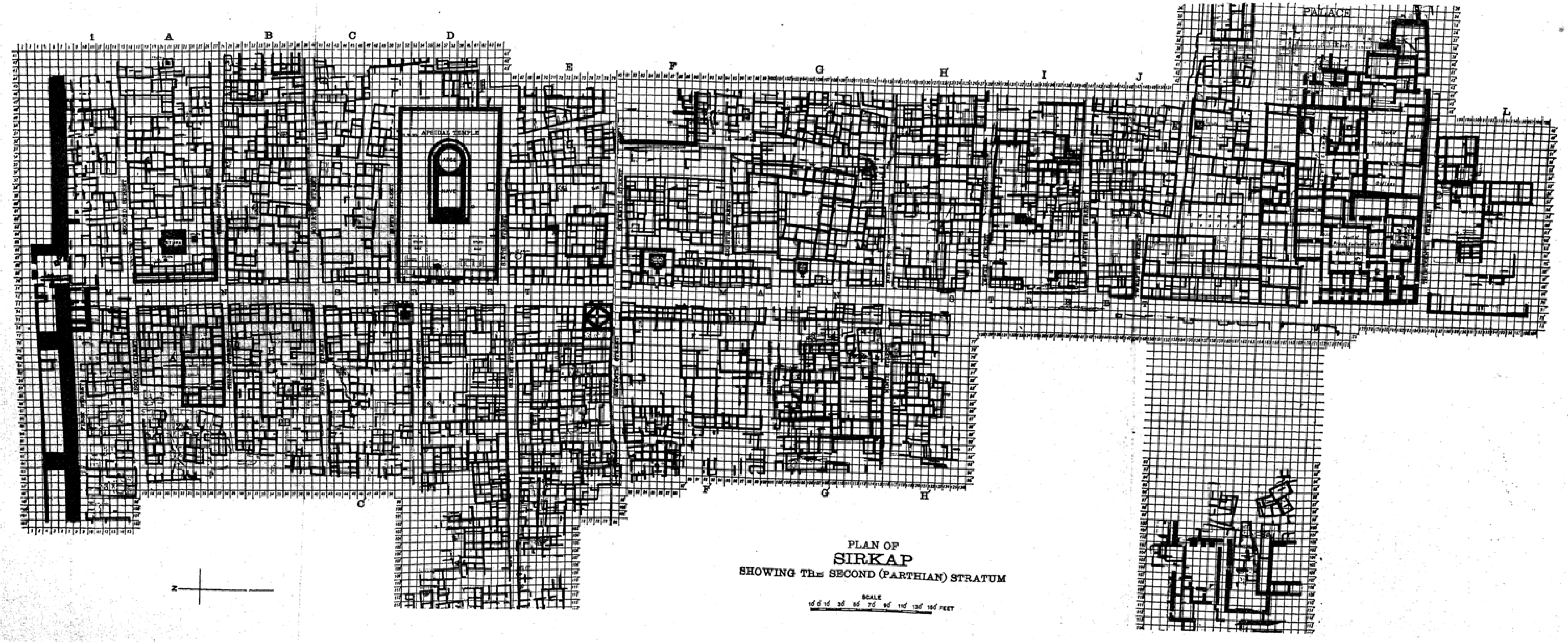

PLAN OF
SIRKAP
SHOWING THE SECOND (PARTHIAN) STRATUM

چھوٹے چھوٹے اَنگھڑ پتھروں کی بنی ہوئی اور ۱۵ سے ۲۱½ فٹ تک موٹی ہے۔ فصیل کی بیرونی جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ٹھوس اور مضبوط برج بنے ہیں۔ اور برجوں کے مابین دیوار کو ڈھلواں پشتوں کے ذریعے مستحکم بھی کیا گیا ہے۔ دیواروں اور برجوں کی بلندی غالباً بیس اور تیس فٹ کے درمیان تھی۔ برج غالباً دو منزلہ تھے۔ اور اُن کی بالائی منزل ٹھوس نہ تھی۔ فصیل کی دیواروں اور برجوں میں تیر اندازوں کے لئے روزن بھی ہونگے اور اندر کی جانب محافظین کے بیٹھنے کے لئے چبوترے بھی ضرور بنائے گئے ہونگے۔

دیوار کی اندرونی جانب، شمالی دروازہ فصیل کے مغرب میں، چند مستحکم کمرے ملے جو غالباً پہرہ داروں کے لئے بنائے گئے تھے۔ اور بڑے بازار کے بالمقابل ایک پاشیب کے آثار ملتے ہیں۔ جس کے ذریعے محافظین فصیل پر چڑھ سکتے تھے۔ دروازہ باہر کی زمین سے بہت اونچائی پر واقع تھا۔ اور جوں جوں شہر کے بازاروں وغیرہ کی سطح اونچی ہوتی گئی باہر کی زمین نسبتاً زیادہ نیچی ہوتی گئی جس کی وجہ سے ایک گہرا نالہ بنانے کی ضرورت پیش آئی تاکہ شہر کا پانی جو بوجہ تیز ڈھال ہونے کے بہت سرعت سے چلتا تھا، بآسانی باہر جا سکے۔

مختلف آبادیاں

حفریات کے اثنا میں جس قدر عمارات فصیل کے اندر برآمد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر دو آخری آبادیوں یعنی پہلوی اور ابتدائی کشانی عہد سلطنت (اول صدی عیسوی) سے تعلق رکھتی ہیں اُن سے نیچے جو کھنڈرات ملے ہیں وہ قدیم آبادیوں کے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۰۹) یعنی اوپر سے تیسرے اور چوتھے طبقے کی عمارات تو شاکا پہلوی عہد کی ہیں اور پانچواں اور چھٹا طبقہ یونانی دورِ حکومت کی یادگار ہیں۔ پلیٹ نمبر ۱۱ پر نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سرکپ کی کھدائی فصیل کے شمالی حصے سے شروع ہو کر قلبِ شہر میں سے گذرتی ہے اور ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ کہ اس میں شاہراہ کا بہت بڑا حصہ اور اس کے دونو جانب مکانات کے

چند بڑے بڑے سلسلے آشکار ہوئے ہیں۔ جن کے درمیان سیدھی سیدھی گلیاں ہیں[۱]۔ مکانات میں اہل بودھ کا ایک وسیع قوسی مندر اور اہلِ جین کی چند چھوٹی چھوٹی عبادتگاہیں بھی شامل ہیں۔ لیکن زیادہ تر یا توسکونتی مکان ہیں یا اہل شہر کی دکانیں۔ مگر ایک عمارت جو کھُدائی کے جنوبی سرے پر، بڑے بازار کے مشرقی جانب وسط شہر میں واقع اور اپنے طول وعرض اور دیواروں کی مستحکم تعمیر کے لحاظ سے اور عمارتوں سے ممتاز ہے، غالباً شاہی محل کا کام دیتی تھی۔ سرکپ کا بڑا بازار اور "پانی دروازے" سے جو بازار مغرب سے مشرق کو جاتا تھا غالباً اسی محل کے قریب آکر ملتے تھے۔ اور اس طرح اس کا محلِ وقوع ایک تحکمانہ انداز لئے ہوئے تھا۔ محل کا مغربی روکار جو بڑے بازار کے بالمقابل ہے ۳۵۰ فٹ سے زیادہ ہے اور شرقاً غرباً یہ عمارت ۴۰۰ فٹ لمبی ہے۔ محل کے قدیم حصے ناہموار انگھڑ پتھروں کے بنے ہوئے ہیں اور غالباً پہلی صدی عیسوی کے اوائل میں تعمیر ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں، یعنی اسی صدی کے دوسرے نصف میں بے شمار مرمتیں ہوئیں اور چند اضافے بھی کئے گئے۔ خصوصاً شمال کی طرف محل کے اس حصے میں جو زنانے کے لئے مخصوص تھا، خاص خاص اہمیت والے صحنوں اور کمروں (مثلاً دیوان خاص) کی دیواروں میں ریبل کی چنائی پر گنجند کا روکار ہے اور بعض جگہ پتھر کے ستون بھی تھے جیسے جنڈیال کے مندر میں ملے ہیں۔ بہت سے کمروں کی دیواروں میں چھیریوں کے نشان بھی ملتے ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ دیواروں کی چنائی میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوبی کڑیاں عموداً چنی گئی تھیں اور ان کے اوپر غالباً تختوں سے تختہ بندی کی گئی تھی۔ باقی کمروں میں دیواروں پر چونے یا گارے کا پلستر تھا جس پر ضرور کسی قسم کا رنگ بھی چڑھایا گیا ہوگا۔

---

[۱] یہ امر قابل توجہ ہے کہ شہر کے مکان، بازار اور گلیاں جوں جوں بڑے بازار سے دور ہوتی جاتی ہیں ان کی سطح اونچی ہوتی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بڑا بازار تو کوڑے کرکٹ وغیرہ سے صاف رہتا تھا۔ مگر اس کے دونوں طرف کے مکانات گلیوں وغیرہ میں ملبہ برابر جمع ہوتا رہا۔

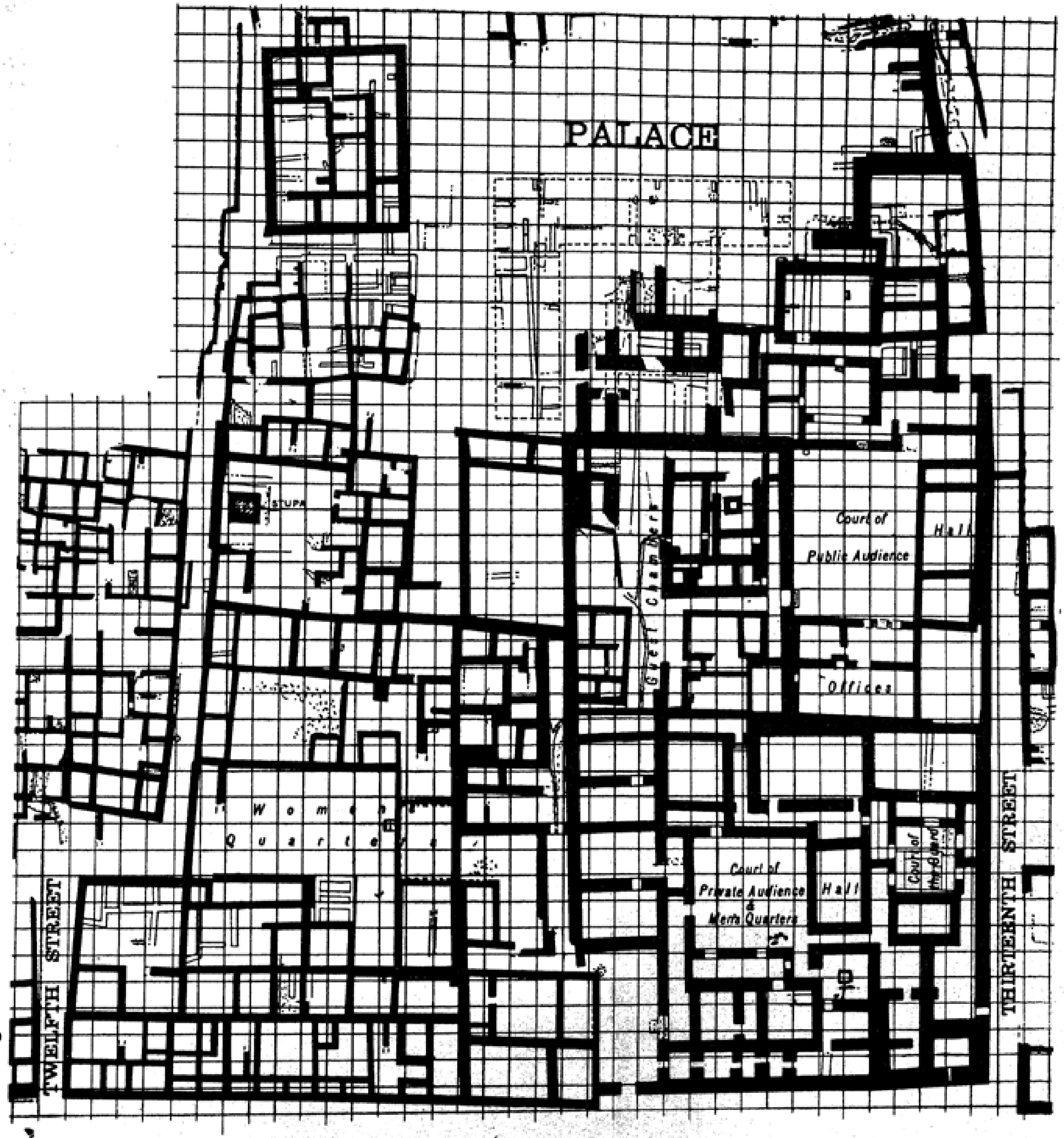
PALACE
STUPA
Court of
Public Audience
Hall
Guest Chambers
Offices
Women's
Quarters
Court of
Private Audience
&
Men's Quarters
Hall
Court of the Guard
TWELFTH STREET
THIRTEENTH STREET

محل میں داخل ہونے کے لئے صرف تین دروازوں کے نشانات اِسوقت ملتے ہیں۔ یعنی ایک تو بڑے بازار سے جو مغرب کو ہے اور دو گلی نمبر ۱۲ سے جو جنوب میں ہیں۔ اغلباً ایک اور دروازہ مشرق کی جانب بھی تھا جہاں کی دیواریں ضائع ہوچکی ہیں۔ یہ سب دروازے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ بڑے بازار سے محل میں داخل ہونے کے لئے پہلے ایک کشادہ صحن میں سے گذر کر ایک مسقّف رستے سے ہوتے ہوئے دیوانِ خاص کے صحن میں آتے ہیں جس کے جنوب میں ایک کُرسی دار ہال ہے۔ یہ ہال غالباً وہی کام دیتا تھا جو مغلیہ محلات میں دیوانِ خاص۔ دیوانِ خاص کے صحن کے گرد جو کمرے بنے ہیں وہ محل کے بہترین کمرے ہیں اور غالباً بادشاہ کے خاص استعمال میں آتے تھے۔ دوسرا دروازہ جو گلی نمبر ۱۳ کے موڑ سے کوئی دس گز پر ہے۔ ایک چھتّے سے ہوتا ہوا محافظ دستے والے صحن میں پہنچتا ہے اور اغلب یہ ہے کہ جو لوگ محل میں آتے تھے وہ اِسی دروازے سے داخل ہوتے تھے۔ کیونکہ شاہی محل میں داخل ہونے سے پہلے ان کو حسبِ دستور پہرہ داروں کے سامنے سے گذرنا ضروری تھا۔ تیسرا دروازہ جو غالباً عوام کے لئے تھا، اسی گلی میں ذرا اور اوپر کو واقع ہے اور اس سے پہلے دیوانِ عام کے صحن میں داخل ہوتے تھے۔ اس دیوانِ عام میں روزمرہ کا سرکاری کاروبار انجام دیا جاتا تھا اور دربار بھی منعقد ہوتے ہونگے اور صحن کے گرد جو کمرے ہیں وہ غالباً دفاتر تھے۔

دیوانِ عام کے شمال میں ایک دروازہ ہے جس کے ذریعے کمروں کے چند مجموعوں میں پہنچتے ہیں۔ یہ مجموعے گو چھوٹے چھوٹے ہیں مگر اُن میں سے ہر ایک بطور خود مکمل ہے۔ اُن کے نقشے اور جائے وقوع سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً یہ مہمانخانہ کا کام دیتے تھے۔ اِن کمروں سے آگے شمال کو محل کا اندرونی حصہ ہے جو زنانہ کے لئے مخصوص تھا۔ اس حصے اور محل کے باقی حصے کے درمیان بہت

اپنی وضع قطع میں نہایت سادہ اور پاکیزہ تھے۔ فلوسٹرمیٹس کے یہ بیانات اس لئے قابل قدر ہیں کہ ان سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس نے ٹیکسلہ کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے اس میں صحت و صداقت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ اس بیان کی معقول تصدیق سرکپ کے مکانات کی خاص وضع اور انوکھی طرز ساخت سے بھی ہوتی ہے۔

شہر سرکپ کا یہ محل زیب وزینت سے بالکل معرا ہے تاہم اسکے بقیات (کھنڈر) خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسی عمارت کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جو ہندوستان کی قدیم برآمد شدہ عمارات میں اپنی طرز کی پہلی عمارت ہے۔ یہ دلچسپی اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس محل کا نقشہ عراق کے شاہی محلات کے نقشے سے عجیب وغریب مشابہت رکھتا ہے۔ چنانچہ عراق کے کسی خاص محل سے اس محل کا مقابلہ کرنے سے اس اجمال کی تفصیل بوجہ احسن ہوسکیگی۔ مثال کے طور پر محل سارگون واقع خورساباد کو لیجئے۔ اس میں بھی سرکپ کے محل کی طرح وسط میں ایک بڑا صحن ہے جس کے گرد کمرے بنے ہیں اور صحن کے ایک جانب ملازموں کے کمرے اور دوسری جانب حرم سرائے واقع ہیں۔ ٹیکسلہ کی طرح یہاں بھی محل کا دوسرا نصف حصہ مہمانوں کے قیام اور کاروبار سلطنت کی انجام دہی کے لئے مخصوص ہے۔ مینارہ زگرت جو محل سارگون میں حرم سرا کے قریب واقع تھا اہل شام کے مذہب کی خاص علامت ہے۔ ٹیکسلہ کے محل میں اس مینارے کی جگہ وہ چھوٹا سا صحن ستوپہ ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

جب ہم اس غلبے اور اثر کی قوت اور استقلال پر غور کرتے ہیں جو شامی تہذیب کو ایران، باختر اور ملحقہ ممالک میں حاصل رہا ہے تو یہ امر کچھ تعجب انگیز نہیں معلوم ہوتا کہ ٹیکسلہ میں شاکا یا پہلوی زمانے کا کوئی محل عراق کے کسی شاہی محل کے نمونے پر تعمیر کیا گیا ہو۔ بلکہ یہ واقعہ ان عمارات کی دلچسپی میں چند درچند اضافہ کرتا اور اس زمانے کے آثار قدیمہ کی

موٹی موٹی دیواریں ہیں۔ "زنانہ" کے مشرق میں بہت سے چھوٹے چھوٹے کمزور دیواروں کے کمرے بے ترتیب سے بنے ہوئے ہیں جو غالباً محل کے شاگرد پیشہ اور ادنے ملازمین کے لئے مخصوص تھے۔

محل کے اِس حصّے میں، یعنی ملازمین کے کمروں اور زنانہ محل کے درمیان ایک چھوٹا سا صحن ہے جس کے شمالی جانب ایک ستوپے کی مربع کرسی ملتی ہے۔ یہ دلچسپ ستوپہ غالباً محل کی نجی عبادتگاہ تھی۔ ستوپے کے چاروں پہلوؤں پر پختہ مٹی کا ایک ایک تالاب رکھا ہوا ملا۔ جو اب عجائب خانے میں رکھ دیا گیا ہے۔ ہر تالاب میں نیچے اترنے کے لئے ایک زینہ بنا ہے فرش پر پانی کے پرند ہیں اور کناروں اور کونوں پر اور پرند بیٹھے ہیں جن کے سروں پر چھوٹے چھوٹے چراغ رکھے ہیں۔ گویا ہر تالاب عناصرِ اربعہ (باد و خاک و آب و آتش) کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس زمانے کی مذہبی رسوم میں تالاب کو کیا دخل تھا۔ مگر فی زمانا بنگال میں کنواری لڑکیاں اس قسم کے نذری تالاب، جن کو "یم پکر" کہتے ہیں، یم یعنی موت کے دیوتا کے نام پر چڑھاتی ہیں۔ اس لئے اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں ان کا استعمال بہت قدیم زمانے سے رائج ہے۔ یہ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس قسم کے تالاب جزائر ایجین (نزد یونان) میں ساتویں صدی قبل مسیح میں اور ملک مصر کے اندر اس سے بھی کوئی تین ہزار سال قبل یعنی تیسرے شاہی خاندان کے عہد حکومت میں مستعمل تھے۔

اگرچہ یہ محل رنج کے مکانات کی نسبت بہت وسیع اور مضبوط بنا ہوا ہے۔ لیکن نہ تو اس کے نقشے میں کوئی خاص شان و شوکت نظر آتی ہے۔ اور نہ آرائش ہی میں تکلف سے کام لیا گیا ہے۔ محل کی اِسی خصوصیت پر اپالونیس کے تذکرہ نویس فلوسٹریٹس نے اس طرح رائے زنی کی ہے کہ ہمیں وہاں یعنی ٹیکسلا میں کوئی پرتکلف اور شاندار عمارت نظر نہیں آئی۔ اور مکانوں کے مردانے کمرے جلوخانے اور ڈیوڑھیاں سب کے سب

اور اس سے اوپر روڑی اور گارا کی چنائی ہے۔ اور ہمارے پاس اس نتیجہ پر پہنچنے کے دلائل موجود ہیں کہ سرکپ کے نجی مکانات کی تعمیر میں بھی یہی طریقہ استعمال کیا گیا تھا۔

بلحاظ نقشے کے ان مکانات میں وہ توازن و ترتیب نہیں جو سرکپ جیسے باترتیب شہر میں ہونی چاہیئے تھی۔ اگرچہ بھڑ کے مکانات کے نقشے انکا نقشہ زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ تاہم بہت سی بے قاعدگی اور ظاہری وضع قطع میں بہت کچھ فرق ہونے کے باوجود یہ مکانات اصل میں سب کے سب ایک ہی اصول پر بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً ان کے نقشے کی ایک خصوصیت ان کی حویلی نما ترتیب ہے۔ یعنی محل اور خانقاہوں کی طرح ہر مکان کے وسط میں ایک کشادہ آنگن ہے۔ جس کے گرد بہت سے کمرے بنے ہوئے ہیں۔ مکینوں کی سکونتی ضروریات کے مطابق ایک ہی مکان میں دو تین چار یا اس سے بھی زیادہ آنگن پائے جاتے ہیں۔ سلسلہ مکانات (G) (F) اور (E) سے جو بڑے بازار کے مشرق کو واقع ہیں، ان کے نقشے اور ترتیب کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ مگر جو دیواریں وغیرہ ان مکانات کی دستیاب ہوئی ہیں وہ سب بہت شکستہ اور جزوی ہیں۔ اس وجہ سے ان کی روکار کی کیفیت یا اندرونی ترتیب کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

سلسلہ مکانات G

محل سے شمال کو اترتے ہوئے بازار کی دائیں جانب چوتھے سلسلہ مکانات پر نقشے میں (G) کا نشان دیا ہوا ہے۔ اس کے سامنے کی طرف یعنی بڑے بازار کے بالمقابل کچھ تو دکانیں ہیں اور ایک چھوٹا سا ستوپہ نما مندر ہے جس کے بغل میں پجاری کے رہنے کا مکان بنا ہوا ہے۔ ان کے عقب میں جو وسیع اور مستحکم مکان ہے وہ پہلی صدی عیسوی کے نصف کے قریب تیار ہوا تھا۔ اس میں چار آنگن اور تیس سے زیادہ کمرے نیچے کی منزل ہی میں ہیں۔ اس مکان کے جنوب اور مشرق میں

تاریخ کے مسائل کو حل کرنے میں قابل قدر امداد دیتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء جو اس محل سے دستیاب ہوئیں ان میں پختہ مٹی کے مجسمے، مٹی کے برتن، کانسی تانبے اور لوہے کی مختلف اشیاء، سوراخدار دانے، نگینے اور سکے شامل ہیں۔ ان میں سے ۱۶ سکے اکٹھے ایک ہی جگہ سے ملے تھے اور عزیز اول، عزیز دوم، اشپوریما، متدوفرن ہرمایس اور کیڈفائیسس کے عہد حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان چیزوں کے علاوہ مٹی کے چند سانچے بھی جو سکے ڈھالنے کے کام آتے تھے خاص طور پر دلچسپ اور قابل ذکر ہیں۔ یہ سانچے ایک کمرے یا دکان سے دستیاب ہوئے ہیں جو محل سے باہر اس کے جنوب مشرقی گوشے کے قریب ہی واقع ہے۔ ان میں سے آٹھ سانچے نامکمل اور بیس شکستہ ہیں اور بہت سے سانچوں میں عزیز دوم کے عہد کے سکوں کے حروف صاف پڑھے جاتے ہیں۔ غالباً یہ سانچے پہلوی زمانے کے کسی جعلی سکہ سازی کی مشین کے اجزاء تھے۔

نجی مکانات

سرکپ کے نجی مکانات کی جو بنیادیں برآمد ہوئی ہیں وہ سب محل کی طرح اَن گھڑ پتھروں کی بنی ہوئی ہیں۔ لیکن ان میں سے زیادہ اہم مکانات کی دوبارہ تعمیر و ترمیم بھی ہوئی ہے۔ اور یہ بعد کی چنائی اس دو پاری طرز کے مطابق ہے جو اول صدی عیسوی کے نصف کے قریب عہد پہلوی میں رائج تھی (دیکھو صفحات ۴۰-۴۱) دیواروں پر اندرونی اور بیرونی جانب مٹی یا چونے کا پلستر تھا۔ اور اس پر رنگ آمیزی بھی کی گئی تھی۔ جس کے نشان اب تک کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ بالائی منزلوں، چھتوں، دروازوں اور کھڑکیوں وغیرہ میں اور بعض جگہ دیواروں کی تختہ بندی میں لکڑی استعمال کی گئی تھی۔ مشرقی ممالک کے عام رواج کے مطابق چھتیں مسطح اور کچی تھیں۔ یعنی ان پر مٹی کی موٹی تہہ بچھی ہوئی تھی۔ اس بارے میں شک ہے کہ دیواریں سراسر سنگین تھیں پیلا اور دیگر مقامات کی خانقاہوں میں (دیکھو باب دہم) اندر کی اکثر دیواریں ۲-۳ فٹ تک تو سنگین ہیں۔

جو چھوٹے کمرے ہیں اُن میں غالباً غریب طبقے کے لوگ رہتے تھے اور ان میں سے بعض کمرے غالباً بڑے مکان کی ضرورت پوری کرنے کے لیے مسمار بھی کئے گئے تھے۔ اس زمانے کے اکثر بڑے مکانوں کے ساتھ بالعموم ایک عبادتگاہ بھی ہوا کرتی اور عام طور پر اس معبد کا دروازہ بازار یا گلی کی طرف ہوا کرتا تاکہ راہگیر بھی اس میں جاکر عبادت کرسکیں۔ مکان زیرِ بحث کے ساتھ جو معبد یا مندر بنا ہوا ہے وہ غالباً جین مذہب سے تعلق رکھتا تھا[1]۔ اس ستوپہ نما مندر کی صرف کرسی باقی رہ گئی ہے جو مستطیل شکل کی ہے۔ کرسی کے پہلوؤں پر پانچ پانچ ستون، اُن کے نیچے ایک زناری گولہ اور اوپر دانتے اور گٹی کے نمونے کی کندہ کاری سے تزئین کا رنس ہے۔ ستوپے کا ڈھولنا گنبد اور چھتری ضائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کے متعدد ٹکڑے اور ان کے ساتھ جمشیدی طرز کے دو ستونوں کے حصے بھی صحن کے ملبے سے برآمد ہوتے ہیں۔ ستونوں کے اوپر شیروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں[2]۔ اور وہ غالباً ستوپے کی کرسی کے سروں پر قائم تھے۔ علاوہ ازیں ایک کٹہرے کے بہت سے ٹکڑے بھی ملبے میں ملے جو ستوپے کے گرد لگا ہوا تھا۔ کرسی کے وسط میں اور ستوپے کی بالائی سطح سے قریباً چار فٹ نیچے ایک چھوٹا سا تبرکات کا خانہ بنا ہوا تھا۔ جس میں سے ایک سنگِ صابون کی ڈبیا اور ایک چھوٹی سی طلائی ڈبیا دستیاب ہوئی۔ پہلی میں شاکا پہلوی بادشاہ عزیز اوّل کے عہدِ حکومت کے آٹھ پیسے اور دوسری میں جلی ہوئی ہڈی اور طلائی ورق کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اور عقیق اور یشب کے چند دانے تھے۔

---

[1] میرا یہ خیال کہ یہ ستوپے بدھ مذہب سے نہیں بلکہ جین مت سے تعلق رکھتے ہیں اس امر پر مبنی ہے کہ ان ستوپوں کے نقشے جین مذہب کے ان ستوپوں کے نقشوں سے بہت مشابہ ہیں جن کی تصاویر متھرا کے بعض مرقعوں پر کھدی ہوئی ملی ہیں۔ [2] یہ شیر بلاشبہ ان شیروں کی نقل ہیں جو راجہ اشوک نے بودھ مذہب کے اکثر مشہور ستوپوں کے قریب اپنی لاٹھوں کے اوپر قائم کئے تھے۔

اس ستوپے کے زینے کے جنوبی پہلو کے قریب ہی ایک چھوٹا سا مربع چبوترہ ہے جس کی تعمیر کا اصلی مقصد مشکوک ہے۔ اسی قسم کا ایک چبوترہ جنڈیاں کے بڑے ستوپے کے قریب بھی ملا ہے۔ ان چبوتروں کی کمزور ساخت سے یہ امر غیر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ستون کا وزن برداشت کرنے کے لئے بنائے گئے ہوں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ اُن کے اوپر چشمے یا دیپ دان بنائے ہوں۔

مندر عقاب دوسر واقع سلسلہ F

مکانات کے دوسرے سلسلے (F) میں بڑے بازار کی طرف جو دُکانیں ہیں وہ نسبتہً زیادہ نمایاں اور ملحقہ ستوپہ زیادہ شاندار ہے (دیکھو پلیٹ ۱۳) ستوپے کے روکار پر سب ستون کارنتھی طرز کے ہیں اور اُن میں سے دو کے عمود تو گول ہیں اور باقی سب کے چوکور۔ ستونوں کے درمیانی فاصلے تین مختلف نمونوں کے طاقچوں سے مزیّن ہیں۔ ان میں سے دو طاقچے جو زینے کے قریب ہیں ان زیبائشی شلشوں سے بہت مشابہ ہیں جو یونانی عمارات کے روکار پر ہوا کرتی ہیں۔ درمیانی طاقچوں میں بنگالی چھتوں کی طرز کی لہر دار محرابیں بنی ہوئی ہیں اور دوسروں کے طاقچے قدیم ہندی طرز کے پھاٹکوں (تورنا) کے ہمشکل ہیں۔ جن کی بہت سی مثالیں متھرا کی تصاویر میں پائی جاتی ہیں۔ درمیانی اور بیرونی طاقچوں کے اوپر ایک ایک پرندہ بنا ہے جو بظاہر عقاب معلوم ہوتا ہے۔ اُن میں ایک عقاب دوسر والا بھی ہے۔ ٹیکسلہ میں اس تصویر کی موجودگی خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ اوّل اوّل دوسر والے عقاب کی تصویریں ان خطّیمی اور بابلی نقوش پر بنی ہوئی ملی ہیں جو مغربی ایشیاء سے دستیاب ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں عہد مساحت کے ایک قدیم منقش ہاتھی دانت پر بھی جو ملک سپارطہ سے ملا ہے اس قسم کی ایک تصویر کندہ ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد یہ نشان اہل شاکا سے بالخصوص منسوب ہو گیا تھا

Plate XIII.

Sirkap: Shrine of the Double-Headed Eagle.

اور ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اہل شاکا ہی نے اس نشان کو ٹیکسلہ میں رواج دیا۔ اہل شاکا سے یہ نشان روس اور جرمنی میں پہنچکر وہاں کے شاہی جھنڈوں کی زینت بنا اور ٹیکسلہ سے بیجے نگر اور اور لنکا میں پہنچا۔ چنانچہ لنکا میں کانڈی کے سرداروں کے جھنڈوں پر اب تک یہ نشان بنایا جاتا ہے۔

اس ستوپے کی چہرے کی چنائی میں کنجورا استعمال ہوا تھا اور اس رو کاری نیز ستوپے کے حاشیوں اور دیگر آرائشی نقش و نگار پر ابتداءً چونے کی استر کاری تھی۔ بمرور ایام پلستر کی اور بہت سی تہیں اس پر چڑھتی گئیں اور کھدائی کے وقت اُن میں سے بعض تہوں پر سُرخ، ارغوانی اور زرد رنگ کے نشانات بھی ملے۔ ڈھولنے اور گنبد کے نقش و نگار بھی غالباً چونے کی استر کاری پر بنے ہوئے تھے اور اُن پر رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور گنبد کے اوپر تین چھتریاں قائم تھیں۔ سیڑھیوں کے اختتام پر اور ستوپے کی کرسی کے گرد ایک چھوٹی سی دیوار ہے۔ اس کا بیرونی چہرہ بودھ طرز کے کٹہرے سے مزین تھا جس کے چند ٹکڑے ملبے میں دستیاب بھی ہوتے ہیں۔ اس ستوپے کی شکل و شباہت کا جبکہ وہ صحیح و سالم تھا، معقول اندازہ متھرا کے ایک ابھرواں مرقع سے کیا جا سکتا ہے۔ جس کی تصویر مسٹر وی۔ اے سمتھ کی تالیف "متھرا کے جین ستوپے اور دیگر آثارِ عتیقہ" میں پلیٹ ۱۲ پر دی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرقعہ ستوپہ زیر بحث کی تعمیر کے تھوڑے ہی عرصے بعد تیار ہوا ہو گا۔ لیکن اس میں جو ستوپہ دکھایا گیا ہے وہ اپنی طرزِ ساخت میں بالکل ہندی نمونے کا ہے حالانکہ سرکپ کا ستوپہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس میں زیبائشی ترتیب کا تمام تار و پود یعنی ساتہ، ستون، دندانے دار کارنسیں اور مثلث نما طاقچے سب یونانی طرز کے ہیں اور جو تھوڑا بہت ہندی عنصر ہے بھی تو وہ صرف ایسی آرائشی جزئیات میں پایا جاتا ہے جیسے پھاٹک نما یا محرابی طاق اور ستونوں کے اوپر والے بریکیٹ۔

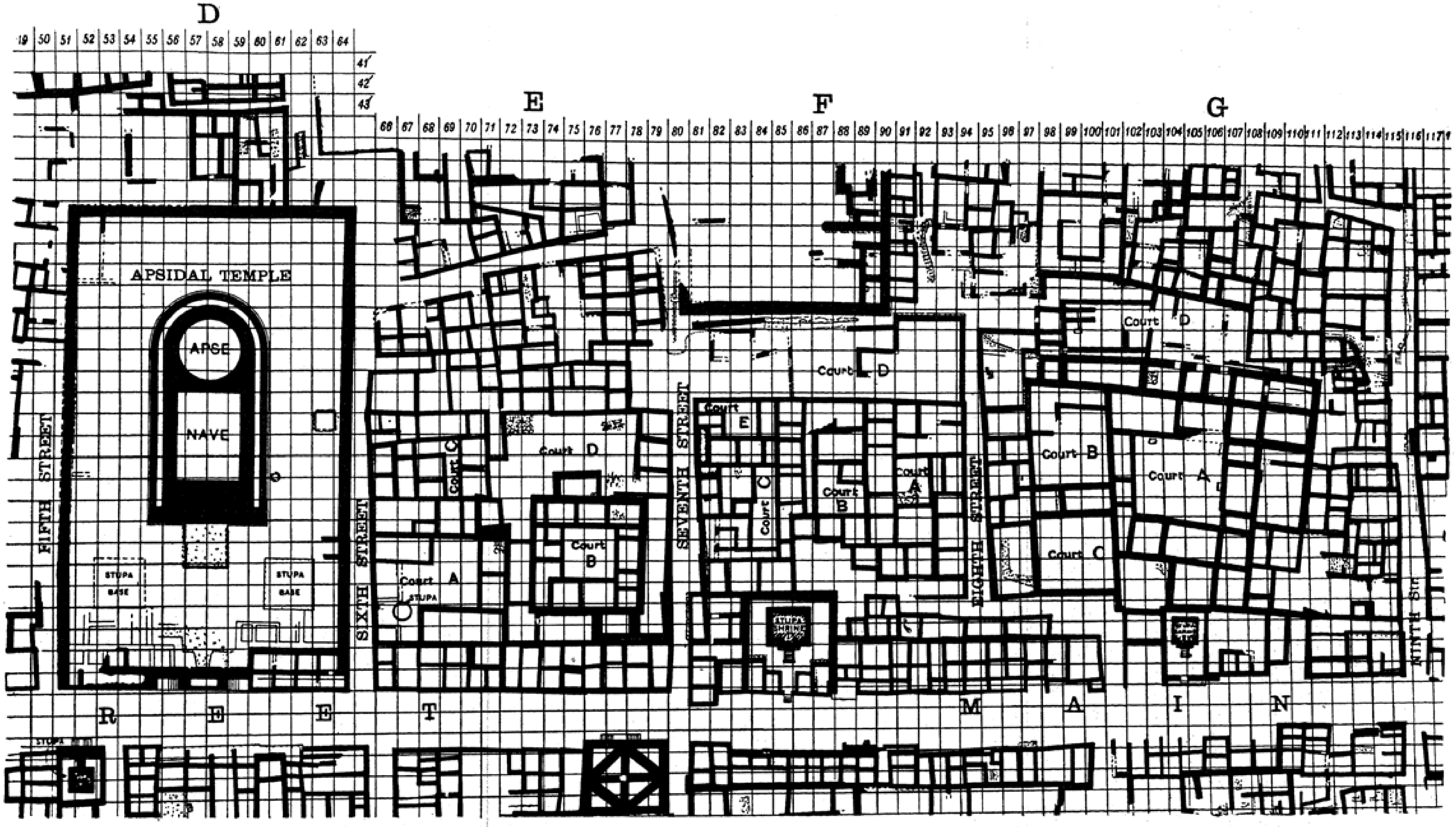

Plan of Blocks D, E, F and G in Sirkap.

اب صرف یہ بتانا باقی رہ گیا ہے کہ اس ستوپے کا تبرکات کا خانہ وسط ستوپہ میں اس کی موجودہ سطح سے تین فٹ دو انچ نیچے ملا تھا۔ لیکن اس کے تبرکات بہت عرصہ پہلے اڑ چکے تھے۔

اس ستوپے کے ساتھ جو پجاری کا مکان ہے اس میں ایک نہایت قابلِ قدر انکشاف ایک آرمائی کتبے کی صورت میں ہوا ہے۔ یہ کتبہ سنگِ مرمر کی ایک سِل پر کندہ ہے جو وضع قطع سے کسی ہشت پہلو ستون کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ کتبہ نامکمل ہے اور اس کے معنی تاحال مشکوک وغیر متعین ہیں۔ تاہم اتنا تو صاف ہے کہ یہ کتبہ کسی بڑے سرکاری عہدہ دار کے اعزاز میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کتبے کی دریافت کھروشٹی رسم الخط کے مبدأ کے ضمن میں خاص دلچسپی رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیکسلہ میں کھروشٹی حروف آرمائی رسم الخط سے اخذ کئے گئے۔ اور آرمائی زبان کو ہخامنشی شاہانِ ایران نے سنہ ۵۰۰ قبل مسیح میں شمالمغربی ہند پر قبضہ و تصرف جمانے کے بعد اس ملک میں رائج کیا تھا (جس علاقے میں کھروشٹی رسم الخط کا رواج رہا ہے اسمیں ٹیکسلہ سب سے بڑا شہر تھا)۔

مکان F

جس مکان کے ساتھ اس ستوپے کا تعلق تھا وہ اس کے عقب میں واقع تھا (پلیٹ ۱۴) اس میں تیس سے زیادہ کمرے اور پانچ کشادہ صحن ہیں۔ یعنی تین صحن (A-B) اور (C) تو اندر ہیں۔ چوتھا بڑا صحن (D) مشرقی حصے میں ہے۔ جسمیں شاید ایک چھوٹا سا باغ بھی لگا ہوا تھا۔ اور پانچواں صحن (E) جو نسبتہً چھوٹا ہے، مغربی جانب ہے۔ مکان کا صدر دروازہ بھی غالباً مغرب ہی کو تھا۔ اور اس مغربی صحن کے مغرب میں جو سات کمرے ایک قطار میں بنے ہیں مکان کے بعض ملازمین کے لئے مخصوص تھے۔

سلسلۂ مکانات E

قریب کے سلسلۂ مکانات (E) میں

بڑے بازار کی طرف کوئی مندر نہیں ہے اور تمام روکار میں صرف دکانیں ہی بنی ہوئی ہیں۔ مگر مکان کے شمالمغربی گوشے میں صحن (A) کے اندر ایک چھوٹا سا گول ستوپہ تھا۔ جس کو اب دوبارہ بنادیا گیا ہے۔ یہ ستوپہ قدیم زمانے میں غالباً زلزلے کی وجہ سے ایک لخت گر گیا تھا اور ویسے کا ویسا ایک جانب گرا ہوا ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ستوپہ نجی عبادت کے لئے مخصوص تھا اور دو وجہ سے دلچسپ ہے ایک تو یہ کہ جس سطح سے اس کی بنیاد شروع ہوتی ہے وہ مکان کی سطح سے قدیم تر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر اکینتھس کے پتوں کا ایک نادر اور زوردار نمونہ چونے میں بناکر اس پر رنگ آمیزی کی گئی تھی۔ صحن (A) کے علاوہ جسمیں یہ ستوپہ ہے، دو اور صحن اس مکان میں ہیں (B) اور (C) جن کے چاروں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں۔ چوتھے صحن (D) کے جنوب میں تین اور مغرب میں صرف ایک کمرہ ہے۔ بادی النظر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مربع صحن (B) جس کے چاروں طرف کمرے ہیں بذاتِ خود ایک مکمل مکان تھا۔ اور جب اول اول کھدائی میں یہ آثار برآمد ہوئے تو ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جس وقت عہد پہلوی میں اس سلسلے کی دوبارہ تعمیر ہوئی تو اس صحن کو مکان کا ایک مستقل حصہ بنالیا گیا اور مکان کے باقی حصوں سے اس کو علیحدہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کے چاروں طرف کشادہ زمین چھوڑ دی جائے تاکہ باہر کی دیواروں میں کھڑکیاں لگائی جاسکیں اور بازار اور گلیوں میں چلنے والے کمروں کے اندر کا حال معلوم نہ کرسکیں۔

اس صحن (B) کے جنوبمغربی گوشے میں کمرہ نمبر ۱۰ کے فرش کے نیچے زیورات اور دیگر خوبصورت صنعتی اشیاء کا ایک قابل قدر دفینہ برآمد ہوا تھا۔ ان میں قابلِ ذکر ایک تو یونانی دیوتا ڈایونیسس کا چہرہ تھا جو چاندی کے

پترے پر ٹھپّے کے ذریعے اُبھار کر بنایا گیا ہے اور جس کی تصویر سر ورق کے مقابل دی ہوئی ہے۔ اور ایک مصر کے کمسن دیوتا ہارپوکریٹیز (پلیٹ ۱۵) کی کانسی کی مورت۔ دیگر اشیاء جو اس دفینہ میں ملیں ان میں طلائی کنگن، مرکیاں، آویزے انگشتریاں، ڈھولنے اور دانے شامل ہیں۔ نیز ایک نقرئی چمچہ بھی جس کی اُلٹی طرف موش دُم اُبھار اور دستے کا بالائی سرا بکری کے کھُر سے مشابہ ہے۔ صحن (D) کے شمالی جانب ایک اور دفینہ ملا جس میں حسب ذیل اشیاء تھیں :- افروڈائیٹے (یونانی علم الاصنام میں حسن کی دیوی) کی پردار طلائی تصویر جس کے خط وخال ٹھپّے کے ذریعے اُبھارے گئے ہیں، ایک تمغہ جس پر پھول پتیوں کے درمیان عشق کے دیوتا کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ سنگ یشب اور عقیق کے مجذّب نگینے جن پر تصویریں کندہ ہیں، ایک طلائی زنجیر اور تین نامعلوم بادشاہوں ساسس، سپیدان اور ستا دستر کے بہت سے سکّے۔

اگرچہ بعض مثالیں ایسی بھی موجود ہیں جن میں اندرونی کمروں کے درمیان سلسلۂ آمدورفت رکھا گیا ہے، تاہم شہر سرکپ کے مکانات کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ چوک یا گلیوں سے ان کمروں میں داخل ہونے کے لئے دیواروں میں دروازے نہیں بنائے گئے۔[1] ان دروازوں کی عدم موجودگی کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں یعنی یا تو ان کمروں کو مٹی ملبے وغیرہ سے بھر کر ان کے ذریعے بالائی عمارت کے لئے کُرسی حاصل کی تھی۔ اور یا اگر ان سے تہ خانوں کا کام لیتے ہوں تو بالائی منزل سے زیریں کمروں میں داخل ہونے کے لئے زینہ یا سیڑھی استعمال کرتے ہونگے۔ ٹیکسلہ میں اس قسم کے تہ خانوں کی موجودگی کا ذکر فلوسٹریٹس نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ٹیکسلہ کے مکانات اس طرح بنائے گئے ہیں کہ باہر سے دیکھیں تو یک منزلہ نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر جائیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں زمین دوز کمرے ہیں

---

[1] گویا اس معاملے میں سرکپ کے نجی مکانات محل سے اختلاف رکھتے ہیں۔

Plate XV.

Figure of Harpocrates.

جب اہل کشاں نے ٹیکسلہ کو تاراج کیا۔ ماسوائے اُن چیزوں کے جو سلسلہ مکانات (E) سے دستیاب ہوئیں سب سے اہم دفینے سلسلہ (D) قوسی مندر کے عقب سے برآمد ہوئے تھے۔

سلسلۂ مکانات E

بڑے بازار کی مغربی جانب، سلسلۂ مکانات (E) کے بالمقابل، جو سلسلہ ہے اس میں قابلِ ذکر عمارت وہ ستوپہ ہے جو جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے۔ ستوپے کے مشرقی جانب سات سات سیڑھیوں کا دوہرا زینہ ہے جس کی پیش کی چنائی میں مربع گیجور لگے ہیں اور کرسی پتھر کی بھاری بھاری دیواروں سے بنی ہوتی ہے جو وسط میں آکر مل جاتی ہیں اور جن کے درمیانی فاصلوں میں ملبہ بھرا ہوا تھا۔ اس ستوپے کے عین وسط میں کھدائی کرنے سے سطح زمین سے سات آٹھ فٹ نیچے ایک مربع خانہ برآمد ہوا۔ مگر افسوس ہے کہ اس کے تبرکات پہلے ہی کسی نے کھود کر نکال لئے تھے۔

قوسی مندر (D)

ستوپۂ مذکور سے آگے، شمال کو، شاہراہ کی مشرقی جانب، اہل بودھ کا ایک عظیم الشان محرابی مندر ہے۔ اس کے سطحی نقشے سے جو پلیٹ ۱۹ پر دیا ہوا ہے معلوم ہوگا کہ مندر ایک وسیع مستطیل چوک میں واقع ہے اور اس کا روکار مغرب کی جانب ہے۔ دروازے کے پہلوؤں پر دو بلند چبوترے اور احاطے کی مغربی دیوار کے ساتھ بھکشوؤں کے رہنے کے لئے حجرے بنے ہیں۔ موجودہ مندر شاکا پہلوی عہد کی کسی قدیم عمارت کے آثار پر قائم ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیر کے وقت اس قدیم کھنڈر کے نشیب و فراز کو ہموار کرکے ایک بلند چبوترہ بنا لیا گیا۔ جس پر چڑھنے کے لئے بازار کی جانب دوہرا زینہ لگا ہے۔ اس چبوترے کے بنانے سے دو فائدے مدنظر تھے۔ ایک تو یہ کہ صحن کی سطح ہموار ہو جائیگی اور دوسرے مندر بھی دیکھنے میں زیادہ شاندار نظر آئے گا۔ چوک میں داخل ہوتے ہی

جن کی گہرائی بالائی کمروں کی بلندی کے برابر ہے۔ حقیقت میں تو یہ زیرین کمرے زمین دوز نہیں ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص گلی میں سے کھڑے ہو کر دریچوں کی اکہری قطار کا مشاہدہ کرے اور بالائی کمروں سے سیڑھی کے ذریعے زیریں کمروں میں اُترے اور پھر ان کمروں کو زمین دوز تہ خانے کہے تو اس کی اس غلطی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء جو سرکپ سے برآمد ہوئیں

شہر سرکپ کے اِن مکانوں اور نیز دوسرے مکانوں سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء برآمد ہوئی ہیں وہ تعداد میں بہت زیادہ اور نوعیت میں بہت مختلف ہیں۔ ایک کثیر تعداد تو مختلف شکل اور جسامت کے مٹی کے برتنوں کی ہے۔ جن میں چھوٹے چھوٹے چراغوں، پیالوں اور لوبان دانیوں سے لے کر بڑے بڑے تین تین چار چار فٹ اونچے ماٹ بھی شامل ہیں جو تیل، اناج یا اسی قسم کی دیگر اشیائے خانہ داری کا ذخیرہ رکھنے کے کام آتے تھے۔ علاوہ ازیں پختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی مورتیں اور کھلونے، پتھر کے پیالے، ساغر اور منقش اور سادہ طشتریاں، آہنی ظروف اور دیگر اشیاء جن میں پھاوڑے، کھلنے بند ہونے والی کرسیاں، تپائیاں، گھوڑوں کی لگامیں، قفلوں کی کنجیاں، درانتیاں، تلواریں، خنجر، ڈھالوں کے پھول اور تیروں کے پیکان شامل ہیں، کانسی اور تانبے کے پیالے، چراغ، ڈبیاں، عطردانیاں، قلم، دواتیں، منقش گھنڈی دار سوئیاں، گھنٹیاں اور چھلے، انگوٹھیاں اور مزید براں کئی ہزار سکّے۔ نقرئی برتن اور سونے چاندی کے بہت سے زیورات بھی سرکپ سے دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ سب چیزیں عجائب خانے میں سلیقے سے رکھی ہیں اور شائقین اطمینان سے ان کو وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء زیادہ تر پہلوی شہر کے مکانوں میں فرش کے نیچے سے برآمد ہوئی ہیں اور غالباً ۶۰ سنہ اور ۶۴ سنہ عیسوی کے مابین اسوقت دفن کی گئی ہونگی

اور دوم یہ کہ خالص اچھوتی زمین پر قائم کرنے کی غرض سے بنیادوں کو قدیم عمارات کے افتادہ ملبے کے نیچے تک لے جانا ضروری تھا[۲]

قدیم فرش کی سطح کے نزدیک دیواروں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سیدھا اُفقی شگاف تھا۔ جو اب چوکور ترشے ہوئے پتھروں کے ایک ردے سے بھر دیا گیا ہے۔ مندر کی تعمیر کے وقت اس شگاف میں چوبی شہتیر رکھے گئے تھے جو اب ضائع ہو چکے ہیں۔ مندر کی رو کار کی جزئیات کے متعلق یقین کے ساتھ کچھ کہنا ناممکن ہے۔ میرا قیاس یہ ہے کہ وسطی اور گول کمروں میں مغربی دروازے سے یا اکے اوپر کھڑکی کے ذریعے روشنی پہنچائی جاتی تھی اور پردکشنا کے لئے بیرونی دیوار میں کھڑکیاں لگا کر مندر جنڈیال میں بھی جس کا ذکر آگے آئیگا بعینہٖ یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ لکڑی کے ٹکڑوں اور بے شمار آہنی میخوں زنجیروں اور پتیوں وغیرہ سے جو ملبے میں ملی ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ مندر کی چھت لکڑی کی تھی۔ اگر یہ چھت مسطح تھی تو ضرور ہے کہ اس پہ مٹی بچھائی گئی ہو اور ڈھلوان تھی تو ممکن ہے کہ اس کے اوپر دھات کی چادروں کے ٹکڑے لگائے گئے ہوں۔ کیونکہ مٹی کا کوئی کھپرا اس مقام پہ کھدائی سے برآمد نہیں ہوا۔

اب صرف یہ بتانا باقی ہے کہ اس مندر کے احاطے کی عقبی دیوار کے ساتھ اور اس سے ذرا آگے کو بڑھا ہوا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے فرش کے نیچے سے سونے چاندی کی چیزوں کا ایک دفینہ ملا تھا۔ اس دفینہ میں بہت سی سونے کی بالیاں آویزے، چوڑیاں، گھنگھنے، ایک ہیکل اور ایک ہار،

---

[۲] جنرل کننگھم کا بیان ہے کہ گول کمرہ کوڑے کرکٹ سے بھرا ہوا تھا۔ اور میجر کراکرافٹ کو ۱۸ فٹ کی گہرائی پر پتھروں کا ایک پختہ فرش ملا تھا۔ آگے چل کر جنرل موصوف کہتا ہے کہ گول کمرے کی دیواروں پر (غالباً حصص زیریں مراد ہیں) چونے کی لپائی کے نشان موجود تھے۔ پہلا بیان یقیناً غلط ہے اور دوسرا دیسا ہی نادرست ہے جیسا کہ عمارت کا وہ نقشہ جو انکی رپورٹ جلد ۵ میں پلیٹ ۱۹ پر چھپا ہے۔ یا اُن کا یہ بیان کہ وسطی کمرہ گول کمرے کے مشرقی جانب واقع ہے۔

دائیں بائیں جو دو چھوٹے چھوٹے چبوترے لی و C بنے ہیں وہ درا‌صل دو ستوپوں کی کرسیاں ہیں جن کے ملبے میں چونے اور پختہ مٹی کے بُتوں کے بہت سے سر اور آرائشی اجزاء دستیاب ہوئے ہیں جن سے کسی زمانے میں یہ ستوپے مزین تھے۔

ان چونے اور مٹی کی تصویروں کی وقعت اس لئے اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے کہ ہم ان کی ساخت کے زمانے کی تعیین قریب قریب یقینی طور پر کر سکتے ہیں۔ یہ تصویریں پہلی صدی عیسوی کے نصف کے لگ بھگ تیار ہوئی تھیں اور پہلویوں اور ان کے جانشینوں کے عہد میں شمال مغربی ہند کی صنعتِ مجسمہ سازی کی تاریخ کی شاہراہ پر ایک اہم نشان کا کام دیتی ہیں۔

صحن کے وسط میں عظیم الشان محرابی مندر بنا ہے جس کو اسی طرح کرسی دیکر سطحِ صحن سے بلند کیا ہے جس طرح صحن کو سطحِ بازار سے اونچا کیا تھا، مندر کے وسط میں ایک وسیع درمیانی مستطیل کمرہ[1] اس کے سامنے ڈیوڑھی اور پیچھے ایک نیم دائرہ کی شکل کا کمرہ ہے اور ان سب کے گرد پردکھشنا ہے جس میں سامنے کی ڈیوڑھی سے داخل ہوتے تھے۔ بحیثیت مجموعی مندر کا نقشہ بالکل اسی قسم کا ہے جیسا کہ کوہ برابر (ضلع گیا صوبۂ بہار) میں غارِ سُداما کا۔ اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ غار سُداما میں ڈیوڑھی اور پردکھشنا نہیں بنائے گئے۔ گول کمرے کا قطر ۲۹ فٹ ہے۔ اور ابتداءً اس کے وسط میں ضرور کوئی ستوپہ بنا ہو گا۔ جس کو کسی سابق متلاشیِ خزانہ نے بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ اس کی بنیادیں خلافِ معمول سطحِ فرش سے ۲۲ فٹ نیچے سے اٹھائی گئی ہیں۔ جس کے بظاہر دو سبب معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالائی عمارت بے اندازہ وزنی تھی

---

[1] جنرل کننگھم کو اس وسطی کمرے سے سوختہ مٹی کی ایک غیر معمولی قد و قامت کی تصویر کے اجزاء دستیاب ہوئے تھے۔ گول کمرے کو میجر کراکرافٹ نے کننگھم سے پہلے ہی کھدوا لیا تھا۔ اور کننگھم نے اس کمرے کو کنواں، حوض یا تہ خانہ خیال کیا۔

اس ستوپے میں دفن کیے گئے وہ بھی کسی قدیم عمارت سے لیے گئے ہونگے۔ لیکن چونکہ بلور کی ڈبیا، جس میں وہ آثار رکھے گئے تھے، ٹوٹ گئی تھی اس لئے اسکے شکستہ ٹکڑوں ہی کو بہ احتیاط تمام محفوظ کر لیا گیا۔ اس قسم کے ٹکڑوں کا تبرکات کے ساتھ تعلق رکھنا ہی انھیں خاص عزت و عظمت کا مستحق کر دیتا ہے۔ چنانچہ **درونا** برہمن کے قصے سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب **بدھ** کی سوختہ لاش کے آثار تقسیم کیے گئے تو **درونا** کے حصے میں صرف وہ برتن آیا جس میں قوم **ملا** نے آثار مذکور رکھے تھے۔ علاوہ ازیں **سانچی**، **سارناتھ** اور دیگر قدیم مقامات سے بھی ایسے شکستہ برتن برآمد ہوئے ہیں جن سے اس خیال کی بخوبی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔

طبقاتِ زیریں کی تحقیق

بڑے بازار کے مغربی جانب کے سلسلہ مکانات میں بالخصوص (A—B—C) میں کھدائی اچھوتی مٹی تک کی گئی جس سے چھ مختلف زمانوں کی آبادی کے نشان ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ نشانات زیادہ تر ملبے کی دو تہوں کے درمیان اَنگھڑ پتھروں کی بنیادی دیواروں کی صورت میں ہیں۔ اوپر سے پانچویں اور چھٹے طبقے کی عمارات یونانی عہدِ حکومت (قریباً ۱۹۰ تا ۸۵ قبل مسیح) کی ہیں۔ پانچویں شہر کے ایک مکان میں سے ایک دلچسپ دفینہ ملا۔ جس میں علاوہ اور اشیاء کے حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:۔ کانسی کا ایک برتن جو پوجا وغیرہ کے وقت استعمال ہوتا تھا۔ ایک کانسی کا دیپ دان جس کی چاروں ٹانگیں پردار پرندوں کی صورت میں ہیں، ایک لوبان دانی، اور ایک چوبی پلنگ کے بعض حصے جن پر پیتل یا تانبے کا پترا چڑھا ہوا تھا۔ **چوتھا** شہر ابتدائی **شاکا** عہد کا ہے۔ اور اغلب یہ ہے کہ عزیز اول نے آباد کیا تھا۔ کیونکہ اس بادشاہ کے بہت سے سکے

چاندی کے کڑے چھڑے۔ جگ، ساغر، پیالے، پیالیاں، طشتریاں اور رکابیاں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ شہر کے دوسرے دفینوں کی طرح یہ چیزیں اسوقت سپرد زمین کی گئی تھیں جبکہ اہل کشان نے ٹیکسلا کو تباہ و برباد کیا اور یہ سب غالباً مندر کی ملکیت تھیں۔ ان میں سے بعض پر جو نام کندہ ہیں وہ معطیوں کے ہیں۔ ان میں سے ایک جیہونیک (Zeionises) کا نام بھی لکھا ہے جو چکھس کا صوبہ دار اور اوّل صدی عیسوی کے نصف کے قریب برسر حکومت تھا۔

صحن ستوپہ (A)

محرابی مندر اور شہر پناہ کی شمالی دیوار کے مابین جو عمارات واقع ہیں ان میں سوائے ایک وسیع صحن کے جو بڑے بازار کے مشرقی جانب ہے اور جس کے وسط میں ایک چوکور ستوپہ بنا ہے۔ اور کوئی عمارت اس قابل نہیں کہ اس کا ذکر خاص طور پہ کیا جائے جن صحنوں کا ذکر پہلے آچکا ہے ان کی لنسبت یہ صحن بہت وسیع ہے۔ اور خلافِ معمول اس کے چاروں پہلوؤں پر رہائشی کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ ستوپے کے تبرکات تو پہلے ہی غائب ہو چکے تھے لیکن تبرکات کے خانے سے دیگر اشیاء کے علاوہ بلور کے چند شکستہ ٹکڑے بھی برآمد ہوئے۔ جو بلاشبہ بلور کی ایک نہایت خوشنما ڈبیہ کے اجزاء ہیں۔ اور جن کی خوبصورت طرزِ ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈبیا عہد موریا کی یادگار ہوگی۔ اس وقت جو ٹکڑے دستیاب ہوئے ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ اپنی درست حالت میں یہ ڈبیہ اس قدر بڑی تھی کہ اس ستوپے کے تبرکات کے خانے میں اس کا داخل ہونا ناممکن تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ڈبیہ مذکور اپنی موجودہ شکستہ حالت ہی میں ستوپے کے اندر رکھی گئی تھی۔ اور غالباً جو "آثار"

مکانوں کے فرش کے نیچے چند چھوٹے چھوٹے دفینوں کی شکل میں دستیاب ہوئے ہیں۔ شہر کے محیط کو مختصر کرنے اور پرانی خام فصیل کی بجائے پتھر کی پختہ شہر پناہ اور برج و بارہ بنانے کا ذمہ دار یہی بادشاہ ہے۔ اور شہر کے طغرائے امتیاز یعنی اس کے سیدھے سیدھے بازاروں اور گلیوں کی موزوں ترتیب' کا سہرا بھی اسی بادشاہ کے سر ہے۔ اوپر سے تیسرے شہر کے آثار اتنے صاف نہیں۔ تاہم ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی عہدِ شاکاہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا شہر پہلوی زمانے میں یعنی اوّلِ صدی عیسوی کے پہلے نصف میں تعمیر ہوا تھا۔ اور اس کی عمارات کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ معمولی انگھڑ چنائی کے ساتھ ساتھ دو باری طرز کی چنائی بھی پائی جاتی ہے۔ سرکپ میں جو عمارات برآمد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر اس دوسرے شہر سے تعلق رکھتی ہیں۔

باب ۸
جنڈیال

مندر

سرکپ سے شمال کی طرف چل کر ہم اس نواح شہر میں سے ہوتے ہوئے جو کچا کوٹ کے نام سے مشہور ہے ۔ جنڈیال کے دو اونچے اونچے ٹیلوں پر پہنچتے ہیں جن کے درمیان سے غالباً حسن ابدال اور پشاور کو جانے والی قدیم سڑک گزرتی تھی ۔ انمیں سے مشرقی ٹیلہ جنرل کننگھم کے وقت میں ملحقہ کھیتوں سے قریباً ۴۰ فٹ بلند تھا ۔ ۶۴-۱۸۶۳ء میں جنرل مذکور نے اس ٹیلے میں سرسری کھدائی کی اور سطح زمین سے سات آٹھ فٹ کی گہرائی پر ایک وسیع عمارت کی چند دیواریں دریافت کیں ۔ اس عمارت کی نسبت اس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ کسی زمانہ میں مندر کا کام دیتی تھی ۔ اتفاق کی بات ہے کہ جنرل کننگھم کا یہ خیال کہ اس ٹیلے کے نیچے کسی مندر کے آثار دبے ہوئے ہیں بالکل صحیح نکلا ۔ لیکن جو دیواریں[1] اس نے خود ملبے مٹی کے اندر سے نکلوائی تھیں وہ عہد وسطیٰ کی ایک عمارت سے تعلق رکھتی ہیں ۔ اور قدیم مندر کے آثار ان دیواروں سے بھی آٹھ نو فٹ نیچے جا کر آشکار ہوئے ۔

---

(۱) یہ دیواریں بہت شکستہ تھیں اور کھدائی کا کام زیریں عمارت تک پہنچانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کو توڑ کر بالکل نکلوا دیا جائے ۔

Plate XVI.

PLAN OF JANDIAL TEMPLE

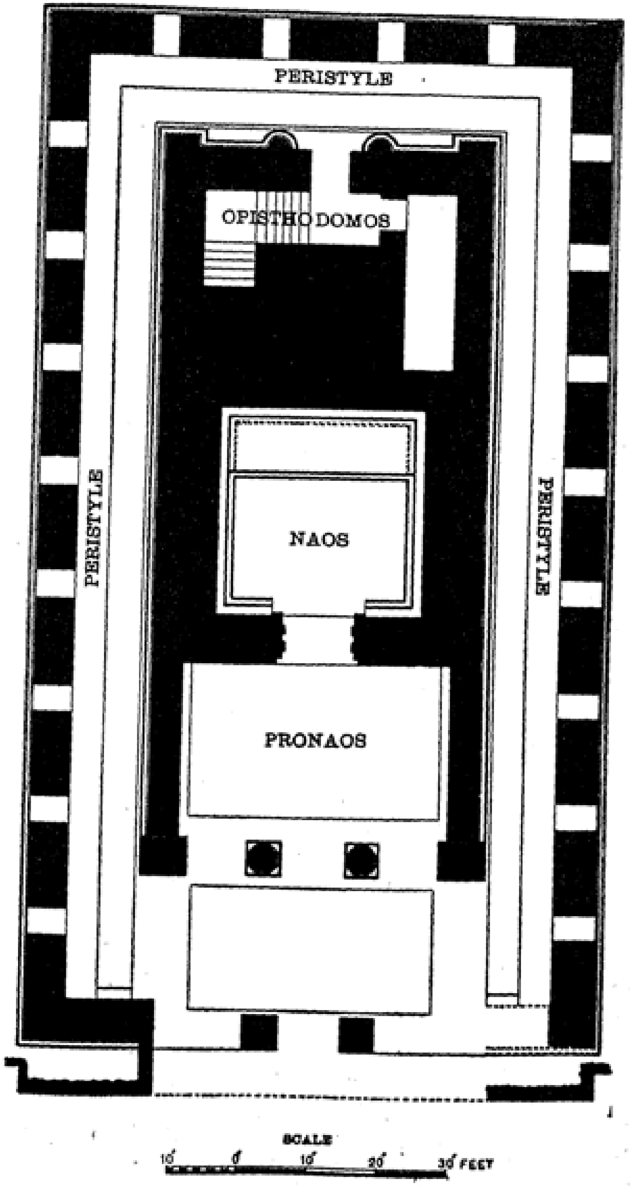

Plate XVII.

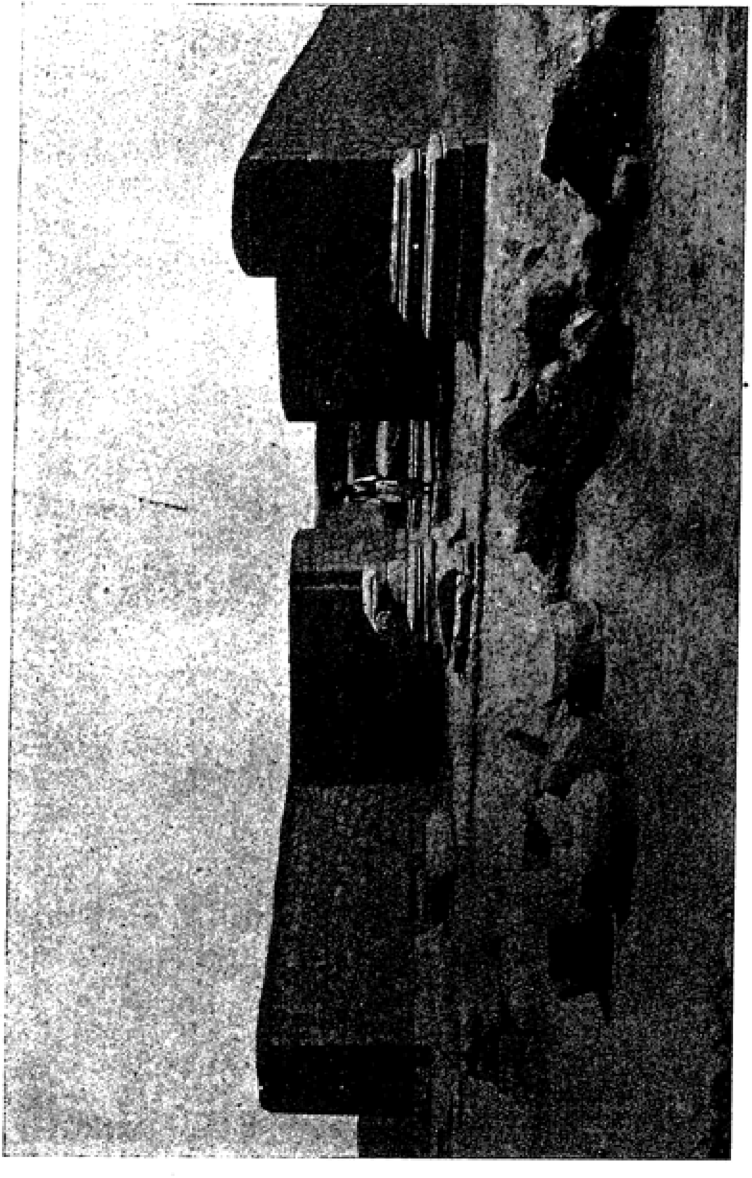

Temple of Jandial from S. E.

یہ مندر ایک مصنوعی ٹیلہ پر جو آس پاس کی زمین سے ۲۵ فٹ بلند ہے۔ شہر سرکپ کے شمالی دروازے کے ٹھیک سامنے واقع ہے۔ اور اسی طرح اس کا محل وقوع نہایت باموقع اور حکمانہ انداز لئے ہوئے ہے۔ اس نکاس کو شامل کر کے جو ڈیوڑھی کے سامنے ہے پچھلی دیوار تک مندر کا طول ۱۵۸ فٹ ہے۔ لیکن اگر ستونوں کے سلسلے (یعنی کھڑکیوں والی دیوار) کو جو اس کے چاروں طرف قائم ہے نکال دیا جائے تو سو فٹ سے کچھ ہی اوپر رہ جاتا ہے۔ اس وقت تک جتنے مندر ہندوستان میں دریافت ہوئے ہیں۔ ان سب سے اس مندر کا نقشہ الگ اور بالکل مختلف مگر یونان کے قدیم منادر سے غیر معمولی مشابہت رکھتا ہے (ملاحظہ ہو نقشہ پلیٹ نمبر ۱۶)۔ یونان کے معمولی ستون دار مندروں میں عموماً چاروں طرف ستونوں کا سلسلہ سامنے پیش ڈیوڑھی اور عبادت گاہ اور پشت میں ایک عقبی ڈیوڑھی ہوا کرتی۔ اہل روما اس عقبی ڈیوڑھی کو پوسٹیکم کہتے تھے، بعض مندروں میں مثلاً مندر پارتھنیان واقعہ شہر ایتھنز یا مندر آرٹیمس واقعہ ایفیسس[1] میں عبادت گاہ اور عقبی ڈیوڑھی کے درمیان ایک زائد کمرہ بھی ہے اور مندر "پارتھنیان" میں اس کمرہ کا نام "پارتھنیاں" یعنی "دوشیزہ دیبی ایتھینی کا کمرہ" ہے۔ جنڈیال کے اس مندر کا نقشہ بھی بالکل مذکورہ بالا یونانی مندروں کے مطابق ہے اور اگر کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ اس کے تین طرف ستونوں کے سلسلے کی بجائے ایک پختہ دیوار ہے جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بڑی بڑی کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں جن کے ذریعہ وافر روشنی پردکھشنا میں پہنچتی تھی۔ مندر کے دروازے پر جو جنوبی جانب ہے، یونانی طرز کے دو ستونوں کے بقیات نظر آتے ہیں جن کے دو طرف ایک ایک مربع نیم ستون

The Temple of Artemis at Ephesus—
The Parthenon at Athens.

تھا[۱]۔ ان ستونوں اور نیم ستونوں پر دروازے کی بالائی کڑیوں کے سرے قائم تھے، ستونوں کے بیچ میں ایک فراخ ڈیوڑھی ہے جس کی دوسری طرف ان ستونوں کے جواب میں اسی قسم کے دو اور ستون اسی طریقے سے یعنی دو نیم ستونوں کے درمیان قائم ہیں، اس کے بعد یونانی مندروں کی طرح پیش ڈیوڑھی آتی ہے جہاں سے ایک فراخ دروازے کے ذریعے عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ مندر کی پشت کی جانب ایک اور کمرہ ہے جس کو عقبی ڈیوڑھی سمجھنا چاہئے۔ اس مندر اور یونانی منادر کے نقشے میں جو اصولی فرق ہے وہ یہ ہے کہ عقبی ڈیوڑھی اور عبادت گاہ کے درمیان جو ایک زائد کمرہ یونانی مندروں میں ہوتا ہے اس کی بجائے اس مندر میں ٹھوس چنائی کر دی گئی ہے جس کی بنیادیں فرش مندر سے بیس فٹ سے بھی زیادہ نیچے چلی گئی ہیں، ان بنیادوں کی گہرائی سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کے اوپر جو عمارت تعمیر کی گئی تھی وہ بہت وزنی، مندر کے دیگر حصوں سے غالباً بہت زیادہ بلند، اور ایک مینار کی صورت میں تھی۔ اس مینار پر چڑھنے کے لئے فراخ زینے تھے جو عقبی ڈیوڑھی سے شروع ہو کر مندر کے پہلوؤں کے متوازی چلتے تھے۔ ان میں سے دو زینے اس وقت تک موجود ہیں اور کم از کم تین زینے ان کے اوپر اور تھے۔ یہ زینے جوں جوں اوپر چڑھتے چوڑائی میں کم ہوتے جاتے تھے۔ مینار کی بلندی غالباً چالیس فٹ کے قریب تھی۔

اس مندر کی چنائی کنجور اور چونے کے پتھر کی ہے اور دیواروں پر چونے کا پلستر تھا جس کے بقیات اس وقت بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں لیکن آیونی نمونے کے ستون اور

---

(۱) ان سے ذرا چھوٹے مگر اسی طرز کے یونانی ستون جنرل کننگھم کو بھی موضع موہڑہ ملہاراں کے قریب ایک بودھ عمارت کے ملبے میں ملے تھے۔ دیکھو کننگھم کی سروے رپورٹ جلد ۵ صفحہ ۶۶ اور تصاویر پلیٹ ۱۸، ۱۹ +

ستونوں، نیم ستونوں اور دیواروں کے "ساز" وغیرہ سے مطابقت کھا سکیں۔ چھت بھی لکڑی ہی کی تھی لیکن یونانی مندروں کی چھتوں کی طرح ڈھلوان نہ تھی۔ اس لئے کہ اگر ڈھلوان ہوتی تو غالباً اس کے اوپر کھپریل ڈالی جاتی[1] اور اس صورت میں دو چار کھپرے تو ضرور ہی اُفتادہ ملبے میں سے دستیاب ہوتے۔ حالانکہ فرش مندر پر اس قسم کی چیزوں کا نشان تک نہیں پایا گیا۔ بخلاف اس کے بہت سی لمبی لمبی آہنی میخیں اور دروازوں کے قبضے اور لکڑی کے جلے ہوئے شہتیر ملبے میں سے برآمد ہوئے اور فرش پر ملبے کی مٹی کی ایک موٹی سی تہ بھی ملی جس میں دیواروں کے پلستر کے بڑے بڑے ٹکڑے اور کوئلے ملے ہوئے تھے۔ ان امور کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس مینار کو چھوڑ کر جو عمارت کے وسط میں بنا تھا، مندر کی باقی چھت اکثر ایشیائی عمارات کی طرح مسطح اور ہموار تھی۔ جس کی کڑیوں کے اوپر تختے اور اُن کے اوپر مٹی کی صرف پانچ چھ انچ موٹی تہ جما دی گئی تھی۔

وثوق کے ساتھ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ یہ بے نظیر مندر کس مذہب کی عبادت کے لئے وقف تھا۔ اہل بودھ سے تو کم از کم اس کا کوئی واسطہ نہ تھا اس لئے کہ نہ تو اس کے اندر بودھ مذہب کی کوئی صورت ملی اور نہ اس کے ملبے میں سے کسی قسم کے "آثار" ہی برآمد ہوئے۔ علاوہ ازیں اس کا غیر معمولی نقشہ بھی اہل بودھ کے تمام معلومہ منادر کے نقشوں سے بالکل مختلف ہے، اور ان ہی وجوہ کی بنار پر ہمیں اس مندر کے برہمنی اور جینی مذہب سے تعلق رکھنے کا خیال بھی رد کرنا پڑے گا۔ برخلاف اس کے عمارت کے وسط میں اور عبادت گاہ کے عین پس پشت ایک عالیشان مینار کی موجودگی بہت معنی خیز ہے اور میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ مینارہ اصل میں "زگرت" تھا جو اہرام کی طرح مخروطی شکل کا اور عراق کے زگرتوں

---

(۱) یہ بھی ممکن ہے کہ چھت پہ تانبے یا پیتل کی چادروں کے ٹکڑے استعمال کئے گئے ہوں۔ لیکن ادھ جلی مٹی کی موٹی تہ جو فرش پر ملی ہے اس خیال کی تردید کرتی ہے۔

نیم ستون ریتیلے پتھر کے ہیں اور انکی کرسیاں عمود اور تاج تین علیحدہ ٹکڑوں میں بنے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ اسی پتھر کے چوکور ٹکڑوں کے ذریعے جڑے ہوئے تھے جو ان کے وسط میں لگائے گئے تھے ، بعینہٖ یہی طریقہ یونانی تعمیرات میں بھی رائج تھا۔

علاوہ ازیں یونانی مندروں میں عام طور پر ستونوں کے مختلف حصوں کی چپٹی سطحوں کو گھس گھس کر نہایت صفائی کے ساتھ وصل کیا کرتے اور معلوم ہوتا ہے کہ مندر جنڈیال میں بھی ستونوں کی ساخت میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا یعنی مختلف ٹکڑوں کی چپٹی سطح کو وسط میں سے قدرے مجوف تراش کر اور سروں پر چاروں طرف کسی قدر اُبھرا ہوا کنارہ چھوڑ کر بعد میں اس کو گھس لیا گیا۔ ان ستونوں کی کرسیوں کے "ساز" وضع قطع میں کچھ ایسے نازک نہیں لیکن ان کے پر کالے جن پر "برگ و پیکان" اور "منکے اور گٹی" کے نمونوں کی منبت کاری ہے ، خاصے خوشنما ہیں۔ بعض ستونوں اور نیم ستونوں کی کرسیوں میں غالباً زلزلوں کے باعث قدیم زمانے ہی میں درزیں پڑ گئی تھیں جن کی مرمت بعد میں اس طرح کی گئی کہ درزوں کے قریب پتھروں کے خستہ پہلوؤں کو کاٹ کر سطح اور سیدھا بنا لیا اور حسب ضرورت نئے ٹکڑے لگا کر سب کو آہنی میخوں کے ذریعے جوڑ دیا۔

عبادت گاہ کی دیواروں کے نچلے حصے پر "گولے" وغیرہ کی آرائش ہے ، اور شمالی دیوار پر اس آرائش کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دیوار کے ساتھ جو ۳½ فٹ اونچا چبوترہ بنا ہے وہ بعد میں ایزاد کیا گیا ہے ۔ وہ دروازہ جس کے ذریعے پیش ڈیوڑھی سے عبادت گاہ میں داخل ہوتے ہیں ، اس میں غالباً لکڑی کے کواڑ تھے۔ جن کو لوہے کی پتیوں کے ذریعے مستحکم کیا گیا تھا۔ چنانچہ ان پتیوں کے بہت ٹکڑے اس سوختہ ملبے کے اندر سے برآمد ہوئے ہیں جو فرش پر بکھرا پڑا تھا۔

اب رہی اسی مندر کی بالائی عمارت اسواس کے اُترنگے ، افریز اور کارنس وغیرہ سب لکڑی کے اور بلاشبہ اہل یونان کی آیونی طرز پر بنائے گئے تھے تاکہ آیونی نمونے کے

اپنی کتاب لائف آف اپالونیس میں کیا ہے اور جہاں وہ خود اور اس کا ہم سفر ڈیمس شہر میں داخل ہونے کے لئے شاہی اجازت کے انتظار میں ٹھہرے تھے فلوسٹریٹس کا بیان ہے کہ "ہم نے فصیل شہر کے بالمقابل سیپ کی طرح کے پتھر کا ایک وسیع مندر دیکھا جس کا طول ۱۰۰ فٹ کے قریب تھا اور اس کے اردگرد ستونوں کے سلسلے اور اندر ایک استھان تھا جو نسبتاً بہت چھوٹا مگر بحیثیت مجموعی قابل تعریف تھا کیونکہ اس کی ہر دیوار کے ساتھ پیتل کی تختیاں میخوں کے ذریعے جڑی ہوئی تھیں۔ جن پر پورس اور سکندر اعظم کے کارناموں کی تصویریں کندہ تھیں"۔ اس بیان میں جو الفاظ "فصیل شہر کے بالمقابل" واقع ہوئے ہیں ان سے مندر جنڈیال کی جائے وقوع بالکل واضح ہو جاتی ہے کیونکہ شمال کی طرف سے ٹیکسلا آنے والے مسافروں کو قدرتاً شہر کے شمالی دروازے کے باہر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ استھان یعنی عبادت گاہ کا غیر متناسب طریق پر چھوٹا ہونا بھی معنی خیز ہے اس لئے کہ مندر جنڈیال کی یہ ایک نرالی خصوصیت ہے علاوہ ازیں اگرچہ مندر کا طول سو فٹ سے کہیں زیادہ ہے لیکن اگر ستونوں کے سلسلے کو نکال دیا جائے تو سو فٹ کے قریب ہی رہ جاتا ہے۔ کونی بیئر اور دیگر مؤلفین نے جن یونانی الفاظ کا ترجمہ "سنگ سماق" کیا ہے میرے خیال میں ان کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے "پتھر جس پر چونے کا پلستر کیا ہوا ہے"۔ یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں چونا بنانے کے لئے سیپ، گھونگھے وغیرہ کا استعمال قدیم الایام سے ہوتا رہا ہے۔

دوسرا ٹیلہ، مندر جنڈیال والے ٹیلے سے ذرا مغرب کی طرف واقع ہے۔ اس پر ایک موٹی موٹی دیواروں والی اور بہت بڑی عمارت کے آثار موجود ہیں جو قریب قریب آتش پرستوں کے مندر کی ہم عصر تھی۔ لیکن اس عمارت کے بالائی حصے بالکل ضائع ہو چکے ہیں اور سوائے چند پیچ در پیچ بنیادی دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں رہا

کی طرح زینہ دار تھا۔ پس اس مینار کی موجودگی اور مورتوں کی قطعی عدم موجودگی مدنظر رکھتے ہوئے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مندر آتش پرستوں کے مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس مینار کی چوٹی پر بیٹھ کر وہ لوگ چاند سورج، اور ان تمام اشیاء کی پرستش کیا کرتے جوان کے خیالات کو آئین قدرت کی طرف متوجہ کر سکتی تھیں۔ اندرونی عبادت گاہ میں آگ کی متبرک قربانگاہ تھی اور اس کے پہلو میں ایک چبوترہ تھا جہاں کھڑے ہو کر پجاری اس میں ایندھن ڈالا کرتے (۱)۔ ہمیں معلوم ہے کہ شامی "زگرت" سے اہل ایران بخوبی آشنا تھے۔ پس اس سے زیادہ قرین قیاس اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اہل فارس یا پہلویوں نے اپنی آتشی منادر کے لئے اس "زگرت" کا نقشہ اختیار کر لیا ہو۔ فیروز آباد (واقعہ ایران) میں جو زگرتی مینار ہے اس کی نسبت بہت سے محققین کا خیال ہے کہ وہ درحقیقت آتشیں قربان گاہ تھی۔ مزید برآں میرے دعوے کی تائید میں یہ امر بھی فراموش نہ ہونا چاہئے کہ یہ مندر شاکا پہلوی عہد میں اس وقت تعمیر ہوا تھا، جبکہ ٹیکسلا (۲) میں زرتشتیوں کو کافی غلبہ حاصل تھا۔

بہت ممکن ہے کہ عمارت زیر بحث وہی مندر ہو جس کا ذکر فلوسٹریٹس نے

---

(۱) اس ضمن میں مشہور پارسی فاضل ڈاکٹر جے۔ جے۔ مودی کا وہ مضمون ملاحظہ ہو جو اخبار ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۱۲ راگست ۱۹۱۵ء میں چھپا تھا۔ اول اول میرا خیال تھا کہ آتشیں قربانگاہ "زگرت" مینار کی چوٹی پر واقع ہوگی کیونکہ ہخامنشی عہد میں آتشکدے بالعموم بلند مقامات پر بنائے جاتے تھے لیکن ڈاکٹر مودی کو اس میں کلام ہے کہ ٹیکسلا میں جہاں مختلف مذاہب کے لوگ آباد تھے آتشیں قربان گاہ ایسی بلند جگہ ہو جہاں سے سب کو نظر آ سکے۔

(۲) جو زمانہ اس مندر کی تعمیر کے لئے معین کیا گیا ہے وہ اس کی طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کی تائید اہل بودھ کے ایک مندر واقعہ موہڑہ ملیا راں سے بھی ہوتی ہے، جس کی طرز تعمیر اسی قسم کی ہے اور جس میں سے جنرل کننگھم کو ایک عمارت کی بنیاد کے قریب شاہ ازیز کے ۱۲ سکے ملے تھے۔

نے کھول لیا تھا لیکن لاعلمی میں ان تبرکات کو جو اس کمرے میں پوشیدہ تھے باہر پھینک دیا تھا۔ چنانچہ اس مٹی اور ملبے میں سے جو اس نے ستوپے کے قریب چھوڑا مجھے ایک محدب شکل کی چھوٹی سی نقرئی ڈبیا ملی جس کے اندر اسی شکل کی مگر اس سے چھوٹی ایک اور طلائی ڈبیا تھی اور طلائی ڈبیا میں ہڈی کا ایک ذرہ سا ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ وہ بڑا برتن جس کے اندر یقیناً یہ ڈبیاں رکھی گئی تھیں، غائب ہو چکا تھا۔

ستوپہ (A) دوسرا ٹیلہ جو نسبتاً چھوٹا ہے، ستوپہ (B) سے کوئی سو فٹ کے فاصلے پر جانب غرب واقع ہے جنرل کننگھم کا بیان ہے کہ اس کو دیہاتیوں نے ان سے پہلے ہی کھول لیا تھا۔ کننگھم لکھتا ہے کہ اس ٹیلے میں بھی ایک ٹوٹا پھوٹا "مندر" مدفون تھا۔ لیکن درحقیقت اس میں سے ایک ستوپے کے آثار برآمد ہوئے ہیں جو وضع قطع میں بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ مذکورہ بالا ستوپوں میں سے قدیم ستوپہ، اگرچہ اس کی چنائی اور آرائشی جزئیات اس قدیم ستوپے کے نسبت کسی قدر بھدی ہیں۔ اس ستوپے کے اندر سے نہ تو تبرکات ملے اور نہ اس کے ملبے میں سے دلچسپی کی کوئی اور چیز دستیاب ہوئی۔

اس ٹیلے سے ذرا اور شمال کو، اور مندر سے قریباً چار سو گز کے فاصلہ پر، دو اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں جن پر پلیٹ ۲۷ میں A اور B کا نشان ہے۔ ٹیلہ (B) جو (A) کے مشرق میں ہے اس کے اندر سے ایک درمیانی جسامت کے ستوپے کے کھنڈرات برآمد ہوئے ہیں جو ایک خانقاہ کے مربع چوک میں بنا ہوا اور دو مختلف زمانوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اول اول یہ ستوپہ شاکا پہلوی عہد میں تعمیر ہوا تھا مگر اس کے بعد تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں دوبارہ بنایا گیا۔ قدیم ستوپہ شکل میں مربع ہے اور اس کی موجودہ دیواریں اس وقت پرانے فرش کے اوپر دو فٹ سے کچھ ہی زیادہ بلند ہیں۔ اس کے جنوبی روکار پر آگے کو بڑھا ہوا زینہ اور وسط میں ایک وسیع "حجرہ تبرکات" ہے۔ کرسی پر نیچے معمولی طرز کا "ساز" اور اوپر چاروں طرف چھ چھ نیم ستون ہیں جن کے اوپر دندانے دار کارنس بنی تھی۔ ستوپے کے مشرقی جانب بھی ایک زینہ ہے جس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی مربع کرسی ہے۔ یہ کرسی وضع قطع میں ان کرسیوں سے ملتی جلتی ہے جو سرکپ کے مندر واقع سلسلہ (G) کے زینے کے پہلوؤں پر بنی ہوئی ہیں۔

جب یہ ستوپہ اور اس کے متعلقہ حجرے گر گرا گئے تو ان کے کھنڈرات پر ایک دوسرا ستوپہ اور حجروں کا ایک نیا سلسلہ تعمیر کیا گیا جن کا نقشہ بالکل مختلف تھا۔ اس دوسرے ستوپہ کی کرسی پتھر کی، شکل میں گول اور نیم تراشیدہ طرز کے مطابق بنی ہوئی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کننگھم نے اس ٹیلے کو کھدوایا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف بعد کے زمانے کی مدور عمارت تک ہی پہنچ سکے اس کا بیان ہے کہ یہ عمارت قطر میں چالیس فٹ ہے، لیکن وہ غلطی سے اس عمارت کو وہ ستوپہ سمجھا جو راجہ اشوک نے اس مقام پر تعمیر کرایا تھا جہاں کسی گذشتہ جنم میں بدھ نے اپنا سر خیرات کر دیا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۱۵۱) جنرل کننگھم کی کھدائی سے قبل "حجرہ تبرکات" کو توڑ سکتے

سرسکھ کے استحکامات

شہر کی فصیل ۱۰ فٹ ۶ انچ موٹی اور انگھڑ پتھروں کی بنی ہوئی ہے لیکن اس کے چہرے پر بڑے دوپاری نونے کی صاف چنائی ہے سطح فرش کے قریب اس دیوار کے ساتھ ساتھ اندرونی اور بیرونی جانب ایک گول پشتہ بنا ہے جو فصیل کی تکمیل کے بعد بظاہر اس کی بنیادوں کو مضبوط و محفوظ کرنے کے لئے بعد میں ایزاد کیا گیا تھا۔ فصیل کی بیرونی جانب ۹۰ ـ ۹۰ فٹ کے فاصلے پر برج ہیں جن کا سطحی نقشہ نصف دائرے کی شکل کا ہے اور جن میں داخل ہونے کے لئے دیواروں کی موٹائی میں تنگ رستے ہیں۔ برجوں اور دیواروں میں روزن بھی رکھے گئے تھے جو قدیم فرش کی سطح سے کچھ کم پانچ فٹ کی بلندی پر گول پشتے کے عین اوپر واقع ہیں۔ برجوں کے روزن باہر کی طرف کو زیادہ فراخ ہیں اور دیوار کے بیرونی پیش پر ان کو مثلثی کمانوں کے ذریعے اس طرح بند کیا ہے کہ وہ بالکل مغربی نمونے کے معلوم ہوتے ہیں۔ روزنوں کے نیچے، برجوں کے اندر کی طرف دیوار میں ایک لمبا افقی شگاف ہے جو اب مٹی سے اٹ گیا ہے اور اس مقام کو ظاہر کرتا ہے جہاں فصیل کی تعمیر کے وقت چنائی کے اندر لکڑی کے شہتیر دے گئے تھے۔ اس سے اور نیچے، یعنی قدیم فرش کی سطح پر، اور برجوں کے دروازوں کے بالمقابل بعض برجوں میں ایک اور سوراخ بھی ملا ہے جو بلاشبہ بدرو کا کام دیتا تھا۔ برجوں کا فرش چونے اور بجری کا تھا جس میں بالوریت کی بڑی مقدار ملی ہوئی تھی۔

ان استحکامات کا مقابلہ سرکپ کے استحکامات سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چند اہم خصوصیات میں وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ اول تو یہ کہ سرسکھ کی دیواروں کے چہرے پر ربل چنائی کی بجائے جو یونانی اور شاکا عہد میں رائج تھی، بڑے دوپاری نمونے کا کام ہے۔ جو اخیر پہلوی اور ابتدائے عہد کشان سے

باب ۹
سرسکھ - لال چک - بادلپور

شہر سرسکھ میں پہنچنے کے لئے ہمیں جنڈیال کے مندر کی طرف لوٹنا اور وہاں سے پختہ سڑک پر ½ ۱ میل کے قریب خان پور کی طرف جانا پڑے گا۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ٹیکسلا کے تینوں شہروں میں سرسکھ[1] سب سے آخری اور جدید شہر ہے اس لئے کہ اس کو راجگان کشان نے غالباً پہلی صدی عیسوی کے اختتام کے قریب آباد کیا تھا وہ ٹیلے جن کے نیچے اس شہر کی جنوبی اور مشرقی فصیل کے آثار ملتے ہیں، لُنڈی نالے کے ساتھ ساتھ چلتے اور سڑک سے بخوبی نظر آتے ہیں۔ لیکن شمالی اور مغربی دیواریں یا تو کھیتوں کی موجودہ سطح کے نیچے پوشیدہ ہیں یا توڑ پھوڑ کر برباد کردی گئی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان دو ضلعوں کی حدود کی تعیین میں بڑی دقت پیش آتی ہے مشرقی استحکامات کا تھوڑا سا حصہ شہر کے جنوب مشرقی گوشے کے قریب کھود کر نکالا گیا ہے اور پہلے ہم اسی کھدائی کا ذکر کریں گے

---

(۱) جنرل کننگھم کا خیال ہے کہ چونکہ چھترپ کا تلفظ بدل کر سترپ ہو گیا ہے (اور چھا کثر سین سے بدل جاتی ہے) اس لئے سرسکھ کا موجودہ نام غالباً چھہر چھیکسہ سے بگڑا ہوا ہے جس کا ذکر پاٹک کے اس کتبہ میں آتا ہے جو ٹیکسلا میں تانبے کے پترے پر کھدا ہوا ملا تھا۔ مگر بوہلر کو اس سے اختلاف ہے (دیکھو اپی گرافیا انڈیکا جلد ۴ صفحہ ۵۶)

بہت نیچے دب گئے ہیں۔ دوم وہ چند ٹیلے جو مزروعہ کھیتوں میں اِدھر اُدھر نظر آتے ہیں اور بلاشبہ نسبتاً زیادہ اہم عمارات کی جائے وقوع کا پتہ دیتے ہیں ان پر اب یا تو قبرستان اور زیارات واقع ہیں، یا موجودہ زمانے کے دیہات (مثلاً پنڈ گاکھڑا اور پنڈورہ وغیرہ) آباد ہوگئے ہیں۔ قبرستانوں اور زیارتوں میں تو کسی قسم کی دست اندازی کرنی ممکن ہی نہیں اور موجودہ دیہات کو غیر آباد کرنے کے لئے بے اندازہ مصارف کی ضرورت ہے۔ الغرض شہر سرسکھ میں جس مقام پر کھدائی کا کام شروع کیا گیا ہے وہ موضع توفکیاں اور موضع پنڈورا کے ٹیلوں کے مابین واقع ہے(۱)! اس جگہ کسانوں کو اثنائے قلبہ رانی میں اکثر ترشے ہوئے پتھر اور مٹی کے برتن ملا کرتے اور خیال تھا کہ کچھ قدیم عمارات سطح زمین کے قریب ہی برآمد ہوجائیں گی چنانچہ کھدائی کے اثنا میں اس جگہ ایک پیچ در پیچ سلسلہ مکانات آشکار ہونا

---

(۱) دیکھو "کننگھم سروے رپورٹ" جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ اور جلد ۵ صفحہ ۶۷۔ جنرل کننگھم کہتا ہے کہ موضع توفکیاں کے قریب ایک ٹیلے میں سے اس کو تانبے کا وہ مشہور لکھا ہوا پترا دستیاب ہوا تھا جس پر سنہ کی تاریخ دی ہوئی ہے لیکن کننگھم کو بھی پورا یقین نہ تھا کہ یہ کتبہ ٹھیک کس مقام سے ہاتھ لگا۔ ایک جگہ تو وہ کہتا ہے کہ "جس مقام سے یہ کتبہ ملا وہ سرسکھ سے جنوب مغرب کی طرف قریباً ایک ہزار گز کے فاصلے پر واقع ہے" اور دوسری جگہ لکھتا ہے کہ "کتبہ مذکور موضع توفکیاں سے ملا تھا" جو شہر سرسکھ کے اندر واقع ہے ان متضاد بیانات کی اصل وجہ یہ ہے کہ کتبہ کننگھم کو نہیں بلکہ نور بہشتی کو ملا تھا۔ جس نے مختلف اوقات میں اس کے متعلق مختلف بیانات دیئے جو سب کے سب ناقابل اعتبار ہیں۔ موضع توفکیاں کے نزدیک جو کھنڈرات اس وقت تک برآمد ہوئے ہیں وہ اس کتبے سے بہت بعد کے زمانہ کے ہیں اور یہ امر زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ کتبہ کو اندرون سرسکھ سے نہیں بلکہ موضع جنڈیال کے قریب کسی ستوپے سے ملا ہوگا +

مخصوص ہے۔ دوم سطح زمین پر کھڑے ہو کر لڑنے والے محافظین کے لئے سرسکھ کے استحکامات میں روزن رکھے گئے ہیں۔ سوم بیرونی برج بجائے مستطیل اور ٹھوس ہونے کے گول اور اندر سے خالی ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ بعد کے زمانے کے ہندی قلعوں کے برجوں کی مانند غالباً سرکپ اور سرسکھ کے بُرج بھی دو یا دو سے زیادہ منزلوں میں اُٹھائے گئے ہوں۔ اور ان کی بالائی منزل سرسکھ کے برجوں کی نیچے والی منزل کی طرح پولی ہو۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ دونوں شہروں کی فصیل کے اوپر ایک چبوترہ اور اس کے سامنے ایک روزنوں والی دیوار بھی ہوگی تاکہ اس چبوترہ پر بیٹھ کر مدافعین حملہ آور افواج پر تیر باری کر سکیں۔

شہر سرسکھ دو اور امور میں بھی سرکپ سے اختلاف رکھتا ہے یعنی ایک تو سرسکھ کا عام نقشہ قریب قریب مستطیل شکل کا ہے اور دوسرے وہ ایک کھلی وادی میں واقع ہے معلوم ہوتا ہے کہ سرسکھ کے بانیوں کو ان قدرتی فوائد کی نسبت جو پہاڑوں سے انہیں حاصل ہو سکتے تھے بظاہر اپنے مصنوعی ذرائع حفاظت پر زیادہ اعتماد تھا ہماری موجودہ علمی اور عمارتی تحقیقات اس قدر وسیع نہیں کہ ان کی امداد سے اس امر کا قطعی فیصلہ ہو سکے کہ آیا یہ نئی خصوصیات خود ہندوستان کے فوجی علم التعمیر کی ترقی کا نتیجہ تھیں یا ان کو بیرونی حملہ آور یعنی اہل کشان وسط ایشیا یا دوسرے ممالک سے اپنے ساتھ لائے تھے۔

موضع توفلکیان سرسکھ کی اندرونی حالت، سرکپ کی نسبت، کھدائی کے لئے کم موزوں واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اول تو وہ تمام رقبہ جو چار دیواری کے اندر محدود ہے، نشیب میں واقع ہے اور اس پر کثرت سے آب پاشی ہوتی رہی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم کھنڈرات سطح زمین کے

دیکھنے میں اپنا وقت صرف کریں)

بودھ آثار خانقاہ

سکھ کے شمال مشرقی گوشے سے قریباً ڈیڑھ سو گز اس پگڈنڈی پر جو موضع گڑھی سیداں کو جاتی ہے چار چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا ایک مجموعہ ہے جو لال چک کے نام سے مشہور ہے۔ ان ٹیلوں میں اہل بودھ کی ایک بستی کے آثار دستیاب ہوئے ہیں جن میں ستوپے مندر اور خانقاہیں شامل ہیں۔ یہ عمارات غالباً چوتھی صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی تھیں اور ان میں سب سے اچھی حالت میں وہ چھوٹی سی خانقاہ ہے جو لال چک کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ یہ خانقاہ سطح زمین سے سات آٹھ فٹ کے قریب بلند ہے اس میں سامنے ایک ڈیوڑھی اور چار کمرے ہیں جن میں داخل ہونے کے لئے ڈیوڑھی میں سے رستے جاتے ہیں، مغربی پہلو پر ایک اور چھوٹا سا کمرہ ہے جو غالباً گودام کا کام دیتا تھا۔ جنوبی ضلع کے وسط میں خانقاہ کا صدر دروازہ ہے جس کے سامنے چار سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ ڈیوڑھی کے مغرب میں پتھر کا ایک اور زینہ ہے جس کے ذریعے بالائی منزل پر جو ضائع ہو چکی ہے آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ بالائی منزل کی دیواریں بھی پتھر ہی کی بنی ہوئی تھیں۔ لیکن راکھ، جلی ہوئی مٹی، آہنی میخوں، قبضوں اور اسی قسم کی دوسری چیزوں سے جن کی بہت بڑی تعداد ملبے میں سے دستیاب ہوئی ہے، ثابت ہوتا ہے کہ منزل زیریں کی چھت، کھڑکیاں، کواڑ وغیرہ کے علاوہ بالائی منزل بھی ساری کی ساری لکڑی ہی کی تھی اور اس کی چھت پر حسب معمول مٹی بچھی ہوئی تھی۔

جو زمانہ میں نے اس خانقاہ کی تعمیر کے لئے معین کیا ہے وہ اس کی طرز تعمیر کی بنا پر کیا ہے کیونکہ اس کی بنیادوں یا دیواروں کے قریب اس قسم کی کوئی

شروع ہوا ہے جو ممکن ہے کہ آئندہ بے حد دلچسپ ثابت ہو سردست صرف دو صحنوں کے حصے برآمد ہوئے ہیں بڑا صحن مغرب میں اور چھوٹا مشرق کی طرف واقع ہے۔ ان کے گرد کمروں کے سلسلے ہیں اور دونوں صحن ایک رستے کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔ اس عمارت کے نقشے اور اس کی وسعت کی بابت صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ عمارت بھی انہی اصول پر تیار کی گئی تھی۔ جو سرکپ کی قدیم عمارات میں عمل پیرا ہیں۔ یعنی اس میں بھی ایک کھُلا صحن اور اس کے چاروں طرف کمروں کی قطاریں ہیں۔ عمارت کا جو حصہ اس وقت تک برآمد ہو چکا ہے اس کی جسامت اور عمارتی خط و خال سے اندازہ لگایا جائے تو یہ قیاس قرین عقل معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت بھی بالآخر ایک وسیع اور شاندار تعمیر ثابت ہوگی۔

اب صرف چند باتیں بیان کرنی باقی رہ گئیں ہیں:۔ اوّل۔ وہ دیوار جو صحن کے شمالی حصے میں ہے کسی کرسی دار چبوترے کی بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ جس پر غالباً ایک ستون دار برآمدہ قائم تھا۔ دوم۔ سطح فرش سے اوپر تو دیواروں کی چنائی نیم تراشیدہ طرز کی ہے لیکن نیچے قریب قریب ربل نمونے کی ہے۔ سوم بعض کمروں کے اندر سے غلہ، تیل، پانی وغیرہ کا ذخیرہ رکھنے کے بڑے بڑے مَاٹ، کیڈ فائیسس ثانی، کنشک اور واسودیو کے عہد کے سکے۔ اور مختلف قسم کی چھوٹی چھوٹی اشیاء دستیاب ہوئی ہیں۔

لال چک

(نوٹ :۔ لال چک اور بادل پور کے آثار کی مرمت کماحقہ نہیں ہوئی ہے اس لئے زائرین سے یہ سفارش نہیں کی جاتی ہے کہ وہ ان کے

اور اس کے سامنے ایک ڈیوڑھی تھی جس میں پتھر کی سلوں کا فرش لگا تھا۔ دوسرے مندر کا جو حصہ باقی ہے وہ اس قدر تھوڑا ہے کہ اس سے کوئی مفید مطلب بات معلوم نہیں ہوسکتی جس عمارت کا ابھی ذکر آئے گا اس کے اور اس مندر کے نقشے اور طرز ساخت سے پایا جاتا ہے کہ یہ دونوں عمارتیں اس خانقاہ کی ہم عصر تھیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے اس ضمن میں یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس ستوپے کی اندرونی ربل بھرتی میں سے مختلف نمونوں کے ایک سو چالیس سکے دستیاب ہوئے جن میں سے کچھ تو شہر ٹیکسلہ کے مقامی سکے ہیں اور باقی اینٹی السی ڈس، کیڈ فائیسس ثانی، ہندی ساسانی بادشاہوں اور سمنتا دیو کے عہد حکومت کی یادگار ہیں۔ جس بے ترتیبی سے یہ سکے مٹی میں جا بجا پڑے ہوئے ملے ہیں اس سے یہ امر بہت غیر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ ستوپے کی تعمیر کے وقت ارادتاً اس میں رکھے گئے ہوں بلکہ اس جگہ ان کی موجودگی کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ ستوپے کی اندرونی بھرتی کے لئے جو ملبہ استعمال کیا گیا وہ ٹیکسلہ کے کسی قدیم شہر کے کھنڈرات سے لیا گیا ہوگا جہاں اس قسم کے سکے بہ افراط ملتے ہیں۔

ستوپہ نمبر ۲ ستوپہ نمبر ۱ اور خانقاہ کے درمیان ایک اور ستوپے کے آثار ملتے ہیں جس کی صرف بنیادیں ہی باقی رہ گئی ہیں۔ ان بنیادوں کی چنائی نیم تراشیدہ طرز کی ہے اور ان کے عین وسط میں "آثار" رکھے ہوئے تھے۔ جن کو حسن اتفاق سے اب تک کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔ مٹی کا وہ برتن جس میں یہ "آثار" محفوظ تھے بالائی ملبے کے بوجھ سے ٹوٹ گیا تھا لیکن "آثار" جوں کے توں موجود تھے۔ ان میں سونے، یاقوت، لعل یشب، اور سیپ کے تیس دانے دستیاب ہوئے لیکن یادگاری ہڈی جو ضرور ان کے ساتھ رکھی گئی ہوگی گل سڑ کر خاک ہو چکی تھی۔

قدیم چیز دستیاب نہیں ہوئی جس کی مدد سے کسی خاص زمانے کی تعیین ہو سکتی۔ برخلاف اس کے ٹیلے کی سطح سے چند ہی فٹ نیچے، ملبے کے اندر، سعید ہنون کے عہد حکومت کے چار نقرئی سکے برآمد ہوئے۔ جن سے اگرچہ پوری طرح تو ثابت نہیں ہوتا مگر یہ خیال ضرور ہوتا ہے کہ یہ عمارت پانچویں یا چھٹی صدی عیسوی سے قبل ہی جلا کر پیوند زمین کر دی گئی تھی۔ حقیقت میں تو یہ بہت ممکن ہے کہ یہ خانقاہ چند قرن سے زیادہ آباد ہی نہ رہی ہو۔ کیونکہ گو زینہ بہت سے قدموں کی آمدورفت سے گھس گھس کر صاف اور چکنا ہو گیا ہے تاہم اس کو اس حالت تک پہنچانے کے لئے نصف صدی کا عرصہ بہت کافی ہو سکتا ہے۔

ان چھوٹی چھوٹی قدیم چیزوں میں جو یہاں سے برآمد ہوئیں تانبے کا ایک خوبصورت ترشول اور چند پھول، کانسی کی ایک انگوٹھی اور لوہے کی ایک کدال اور تیر کا پیکان شامل ہیں۔ علاوہ ازیں عقیق، زمرد یاقوت، یشب، بلور، سبزہ لاجورد، سونے، موتی، اور سیپ کے دانوں کا ایک ہار بھی دستیاب ہوا ہے۔

خانقاہ مذکور کے جنوب مشرق میں قریباً چالیس گز کے فاصلہ پر ایک مستطیل صحن[1] کے وسط میں ایک مربع ستوپہ واقع ہے جس کے شمالی پہلو پر ایک فراخ زینہ اور کرسی پر پست اور نسبتہً ادنےٰ درجے کے بھدے کارنس نیم ستون بنے ہوئے ہیں جو اب شکستہ حالت میں ہیں۔ ان کے اوپر ہندوانی طرز کے بریکٹ ہیں جو بعد کے زمانہ کی عمارات میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

اس ستوپے کی چوک میں دروازے کی دائیں اور بائیں جانب دو چھوٹے چھوٹے مندروں کے آثار تھے۔ مشرقی مندر میں بدھ کا مجسمہ رکھنے کے لئے ایک مربع عبادتگاہ

---

(۱) اس صحن کی چار دیواری نیز دو چھوٹے چھوٹے مندر اور ستوپہ نمبر ۲ سب دوبارہ مٹی میں دبا دیئے گئے ہیں

بادل پور

بادل پور کا بڑا ستوپہ موضع بھیرہ کے قریب واقع ہے اور اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ طرز تعمیر اور وضع قطع میں یہ ستوپہ بھلرؔ اور کنال ستوپوں سے بہت ملتا جلتا ہے اور اس میں کلام نہیں کہ کسی وقت ٹیکسلا کی شان دار عمارات میں شمار ہوتا ہوگا۔ لیکن متلاشیانِ خزانہ کی دستبرد سے اس ستوپے کو بہت نقصان پہنچا ہے اور ایک بھاری کرسی کے سوائے' جو اسّی فٹ طویل اور اس وقت صرف بیس انچ بلند ہے، اس کی گزشتہ عظمت و شان کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ ستوپے کی شمالی اور جنوبی اطراف میں کمروں کی دو قطاریں ہیں جن کے سامنے تنگ برآمدے ہیں۔ یہ کمرے مندروں کا کام دیتے تھے۔ اور اُن میں بت رکھے جایا کرتے۔ ستوپے سے قریباً ستر گز جانب شرق ایک وسیع خانقاہ کے کھنڈر مدفون ہیں۔

اس عمارت کی کھدائی کے اثناء میں جو سکے دستیاب ہوئے وہ سب کے سب شاہانِ کشان یعنی کنشک، ہوشک، اور واسودیو کے عہد حکومت کے ہیں ان سکوں سے اور نیز ستوپے، خانقاہ اور کمروں کی طرز تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعمیر اغلباً تیسری صدی عیسوی کے آخری نصف حصہ میں عمل میں آئی ہوگی۔

باب ۱۰

موہڑہ مرادو۔ پپلا۔ جولیاں اور بھلڑ

موہڑہ مرادو کا محل وقوع

ان اشخاص کے لئے جو ٹیکسلہ کی سیر کو آتے ہیں مگر تمام نواح میں پھرنا پسند نہیں کرتے بہتر ہوگا کہ تو فکلیاں، لال چک، اور بادلپور کے کھنڈرات کو جو دلچسپی سے دوسرے درجے پر ہیں چھوڑ دیں اور سرسکھ کے استحکامات سے براہ راست بودھ عمارات کے ان سلسلوں کی طرف روانہ ہوں۔ جو مواضع موہڑہ مرادو، پپلا، جولیاں کے قریب واقع ہیں۔ یہ عمارات نہایت محفوظ حالت میں برآمد ہوئی ہیں اور بعض امور کے لحاظ سے شمالمغربی ہندوستان میں اپنی قسم کی سب سے زیادہ دلکش یادگاریں ہیں۔ موہڑہ مرادو کی عمارات شہر سرسکھ سے قریباً ایک میل جنوب مشرق کو موضع موہڑ مرادو کے پیچھے ایک چھوٹے سے درے میں واقع ہیں۔ جس میں اگر ہم مشرق کو چلیں تو پہاڑی کے پہلوؤں پر، سبزہ زار کی ایسی افراط نظر آتی ہے کہ توجہ بے اختیار اس طرف کھنچتی ہے۔ چاروں طرف جنگلی زیتون اور سنتھا بکثرت اُگے ہوئے ہیں اور میڑی کی تنگ اور ناہموار گھاٹی جس میں سے آثار کی طرف جانے والی پگڈنڈی گزرتی ہے۔ خاص طور پر دلکش اور نظر فریب واقع ہوئی ہے۔ اس درے میں، جس کو پہاڑوں کے مابین ایک پیالے سے تشبیہ دینی زیادہ موزوں ہے، بودھ معماروں نے ایک وسیع مستطیل

Plate XVIII.

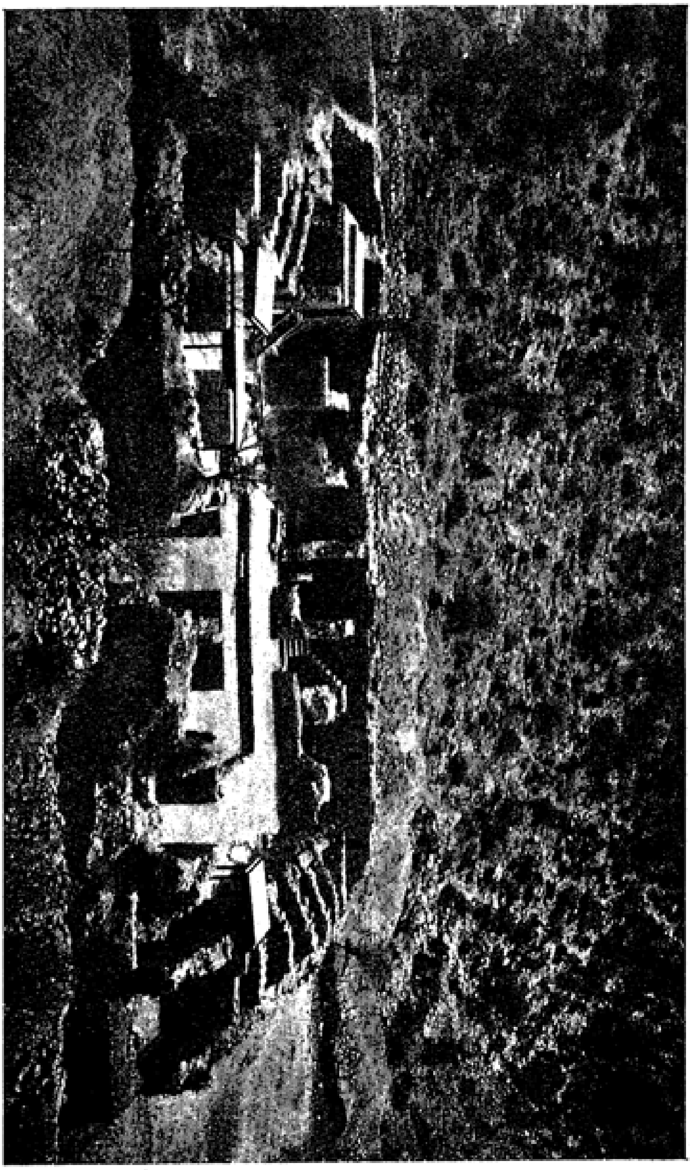

The Monastery of Mohra Moradu.

چبوترہ بنا کر اس کے اوپر مغرب میں ایک ستوپہ اور مشرقی جانب ایک شاندار خانقاہ تعمیر کی تھی۔ جب اول اول یہ عمارتیں دریافت ہوئیں تو فرسودہ پتھروں وغیرہ کے بہت بڑے انبار کے نیچے دبی ہوئی تھیں جو اس پاس کی پہاڑیوں سے بتدریج گر گر کر جمع ہو گیا تھا۔ اور صرف بڑے ستوپے کے شکستہ گنبد کا پانچ فٹ کا ٹکڑا ملبے کے باہر نظر آتا تھا۔ اس ستوپے کو بھی دولت کے متلاشیوں نے تبرکات حاصل کرنے کی غرض سے اس کے وسط میں کھدائی کر کے دو حصوں میں کاٹ ڈالا تھا اور اس کھدائی سے دھرمراجیکا ستوپہ کی مانند اس کو بھی سخت نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ملبے کے انبار کے نیچے سے عمارتیں برآمد ہوئیں تو معلوم ہوا کہ وہ نہایت محفوظ حالت میں ہیں اور اُن کی دیواروں پر جو ۱۵ سے ۲۰ فٹ تک بلند ہیں، چونے کی بہت سی خوبصورت مورتیں ابھی تک موجود ہیں (دیکھو پلیٹ نمبر ۱۸ و ۱۹)۔

ستوپہ نمبر ۱

نقشے اور طرز تعمیر کے لحاظ سے اس ستوپے میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو خاص طور پر قابل ذکر ہو یا اس طرز کی دوسری عمارات کے مقابلہ میں، جو تیسری اور پانچویں صدی عیسوی کے درمیان تعمیر ہوئیں، اس کو امتیاز بخشے۔ لیکن شکر کا مقام ہے کہ پہاڑوں کے اندر اس کی محفوظ جائے وقوع اور دیگر موافق حالات کے باعث بہت سی چونے کی مورتیں جن سے اس کی دیواریں آراستہ تھیں اب تک خاصی محفوظ حالت میں ہیں۔ حالانکہ دوسری ہمعصر عمارات میں قریب قریب سب کی سب مورتیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اور اگرچہ ان میں سے اکثر کے رنگ و روغن اُڑ چکے ہیں تاہم ان کی مدد سے ہم اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو وقت کاریگران عمارتوں کو پایۂ تکمیل کو پہنچا چکے ہوں گے اس وقت ان کی کیا شان ہوتی ہوگی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کرسی سے لے کر ڈھولنے کی چوٹی تک ستوپہ کی تمام سطح پر اُبھرواں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کرسی پر جو آرائشی ستون

بنے ہیں ان کے درمیانی فاصلوں میں بدھ اور بودھی ستوا کی تصویریں تھیں جو اب عجائب خانہ میں پہنچادی گئی ہیں (پلیٹ نمبر ۱۹) ستونوں پر بھی نیچے سے اوپر تک بدھ کی کئی کئی مورتیں بنی ہوئی تھیں، سیدھی یا چبوترے سے کسی قدر اوپر ڈھولنے پر یہی تصویریں پھر دہرائی گئی تھیں اگرچہ یہاں ان کو ذرا چھوٹے پیمانے پر بنایا تھا، اور زینے کے دونو جانب بھی ڈھلواں کارنس کے نیچے تصویروں کی مسلسل قطاریں تھیں جو یونانی منادر کی مثلثی محرابوں کی تصاویر کی طرح بتدریج چھوٹی ہوتی جاتی تھیں۔ بلاشبہ جن صناعوں نے یہ تصویریں بنائی ہیں اُنھوں نے کیا بلحاظ طرز ساخت اور کیا بلحاظ اصطلاحی خصوصیات کے اپنے کام کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے ان سب تصاویر کی نسبت عموماً، اور ان تصویروں کی نسبت خصوصاً جو کرسی کے جنوبی پہلو پر آرائشی ستونوں کے درمیان بنی ہوئی ہیں، جو بات نہایت عجیب اور دلچسپ معلوم ہوتی ہے وہ ان کے خط وخال میں زندگی بلکہ حرکت کی سی جھلک اور ان کے انداز میں متانت و وقار کی موجودگی ہے۔ یہ صفات ان خدام بودھی ستواؤں کی تصاویر میں خاص طور پر نمایاں ہیں جن کے کپڑوں کے شکن اور گراؤ، اور کپڑوں کے اندر سے نظر آنے والے اعضائے جسمانی کی بناوٹ عجیب وغریب طور پر حقیقت نما اور واقعیت کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ پھر بدھ کی تصویروں کے پہلوؤں میں اُڑنے والی ہستیوں کو دیکھئے جو پیچھے سے نکلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ تصویریں نہایت نفیس اور حد درجے کی مؤثر اور دلکش ہیں اور ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا بادلوں میں سے جھانک رہی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ کامیاب طریقہ بھی جو لباس کے شکن وغیرہ کے دکھانے میں استعمال کیا ہے نہایت دلچسپ ہے اور اس کی اصطلاحی خوبیاں بہترین یونانی روایات سے بالکل مطابقت کھاتی اور نہایت صحیح مشاہدے کا اظہار کرتی ہیں [1]۔

---

(۱) بہترین زمانے کے یونانی مجسموں میں پتھر کی تمام سطح کو تراش کر صاف کر لیا جاتا تھا (باقی اگلے صفحہ پر)

Plate XIX.

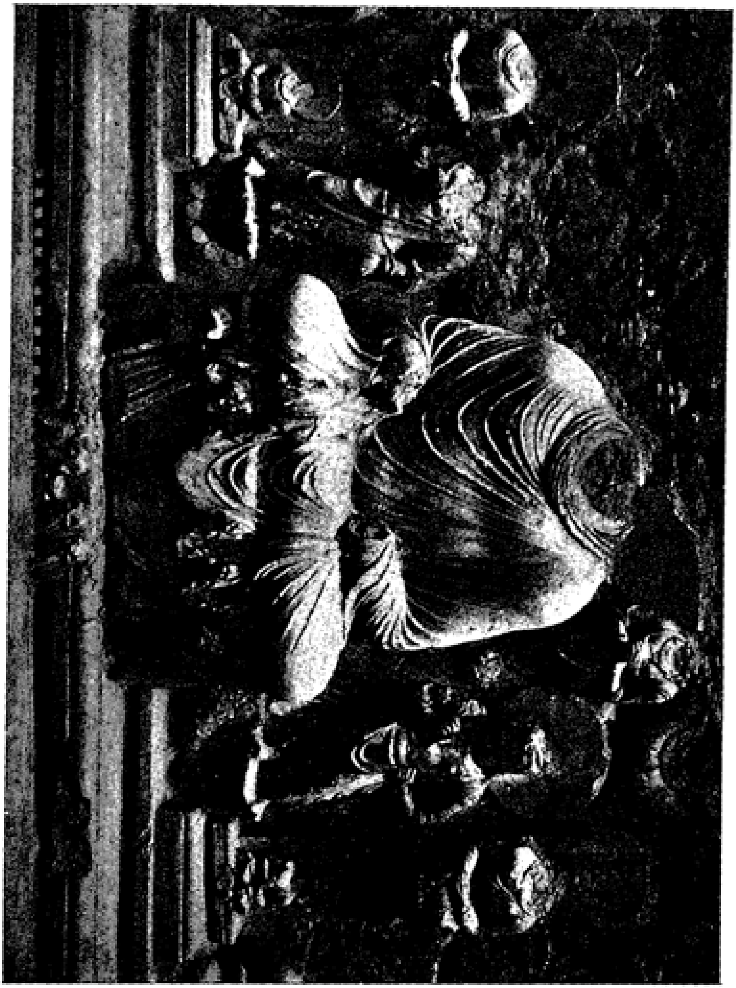

Mohra Moradu : Reliefs on Stupa I.

چاندہ ہے جس پر سے گزر کر ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہیں۔ ڈیوڑھی کی مغربی دیوار میں ایک محرابی طاقچہ ہے جس میں اُبھرواں تصویروں کا ایک مجموعہ نہایت درست حالت میں موجود ہے۔ اس مجموعے میں وسط میں بدھ کی تصویر ہے اور اس کے دونوں طرف چار خادم دکھلائے ہیں۔

ڈیوڑھی سے خانقاہ میں داخل ہوں تو ایک وسیع صحن نظر آتا ہے جس کے چاروں پہلوؤں پر ستائیس حجرے بنے ہوئے ہیں صحن کے وسط میں ایک مربع نشیب ہے جو قریباً دو فٹ گہرا ہے۔ اور اس کے چاروں پہلوؤں پر ایک ایک زینہ اور جنوب مشرقی گوشے میں ایک مربع چبوترہ ہے جس پر کسی زمانہ میں ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ یہ کمرہ غالباً غسل خانہ (جنتا گھر) تھا جس کا ہر خانقاہ میں ہونا ضروری تھا۔ نشیب کے چاروں طرف پانچ پانچ فٹ کے فاصلہ پر پتھر کی سلوں کا ایک سلسلہ ہے جن کی بالائی سطح صحن کی سطح کے ساتھ ہموار ہے، یہ سلیں ایک فراخ برآمدے کے ستونوں کی کرسیوں کا کام دیتی تھیں جو سراپا لکڑی کا بنا ہوا تھا[1] برآمدے کی تعمیر سے دو مقصد زیر نظر تھے۔ ایک تو نچلی منزل کے حجروں کے سامنے سایہ بہم پہنچانا اور دوسرے بالائی منزل کے حجروں کے ساتھ سلسلۂ آمدورفت قائم کرنا۔ برآمدے کے چھجے اس کے ستونوں سے کسی قدر آگے کو نکلے ہوئے تھے، تاکہ بارش کا پانی اس نشیب میں جا کر گرے جو وسط صحن میں واقع ہے۔ اور وہاں سے ایک پٹی ہوئی نالی کے ذریعے باہر نکل جائے۔ جنوبی پہلو کے حجروں کی عقبی دیواروں میں، جس جگہ چھت کی کڑیاں رکھی گئی تھیں، سوراخوں کی قطاریں اور دکھلے ہیں۔ ان سے

---

(۱) لکڑی کے استعمال کی شہادت کو کلوں آہنی میخوں قبضوں وغیرہ کی موجودگی سے ملتی ہے جو ملبے میں دستیاب ہوئے ہیں۔

بہت سی مورتوں کے سر، جو جسموں سے علیحدہ ہو گئے تھے، ستوپے کی کرسی کے آس پاس دستیاب ہوئے تھے اور مقامی عجائب خانہ میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے بعض سر نہایت اچھی حالت میں ہیں۔ ان کی تکمیل اس طرح کی گئی ہے کہ خط و خال کی آخری درستی سے پہلے نفیس پلستر کی باریک تہ چڑھائی ہے اور اس کے اوپر (صفائی کے بعد) رنگ آمیزی کی ہے۔ چہرے کی رنگت تو سفید ہی رکھی ہے۔ لیکن ہونٹ، نتھنے، پپوٹے اور اُن کی شکن، بالوں کے سرے اور گردن اور بناگوش کے شکن ہلکے سرخ رنگ کے اور بال بھورے سیاہ رنگ کے ہیں۔

ستوپہ نمبر ۲ ستوپہ کلاں کے زینہ کے جنوبی پہلو پر اسی نمونے کا ایک اور چھوٹا ستوپہ (نمبر ۲) ہے۔ یہ بھی بڑے ستوپے کا ہم عصر ہے۔ اور اس کی عام شکل و شباہت، طرز ساخت، اور زیبائشی خط و خال بھی بڑے ستوپے سے بہت مشابہ ہیں۔ لیکن چونے کی تصویروں کے بہت ہی تھوڑے اجزا اس کے جنوبی اور مغربی پہلوؤں پر باقی رہ گئے ہیں۔

خانقاہ ان ستوپوں کے متعلق جو خانقاہ ہے وہ بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ اس میں ایک کشادہ مستطیل صحن کے علاوہ، جو خانقاہوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے، مشرقی پہلو پر چند وسیع کمرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ صحن کا صدر دروازہ شمال کی طرف ہے۔ دروازے کے ساتھ ایک فراخ زینے کی چوٹی پر ایک مسطح چبوترہ یا

اور لباس کے شکن اُبھرے ہوئے چھوڑے جاتے تھے۔ لیکن رومی تصویروں میں اور ان بتوں میں جو یونانی صنعت کے زوال کے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ محنت سے پہلوتہی کر کے پتھر پر صرف نالیاں سی بنا کر لباس کے شکن ظاہر کر دیا کرتے تھے، حالانکہ ایسا کرنے سے تصاویر سے مماثلت اور مشابہت بالاصل بہت کچھ مفقود ہو جاتی تھی۔

خانقاہ موہڑہ مرادو میں مذکورہ بالا کمرے صحن کے مشرق میں ہیں اور جس دروازے کے ذریعے ان میں داخل ہوتے ہیں وہ حجرہ نمبر ۷ میں واقع ہے۔ ان میں سے مجلس خانے کی شناخت میں کوئی دقت پیش نہیں آتی جو یقیناً وہ مربع اور وسیع شمالی کمرہ ہے جس کی چھت کسی وقت چار ستونوں پر قائم تھی۔ لیکن باقی کمروں کی تعین ایسی آسان نہیں خصوصاً اس لئے کہ خانقاہ کا یہ حصہ بعد میں از سر نو تعمیر ہوا اور اس میں متعدد اضافے کئے گئے۔ تاہم اگر ان کمروں کا خانقاہ جولیاں سے مقابلہ کیا جائے جو اس خانقاہ کی ہم عصر اور بالکل اسی نقشے کے مطابق بنی ہوئی ہے تو ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جو کمرہ مجلس خانے کے ساتھ لگا ہوا ہے وہ باورچی خانہ تھا جس کے ساتھ ایک مودی خانہ اور ایک گودام بھی ملحق تھا۔ گودام تو وہ چھوٹا اور موٹی موٹی دیواروں والا کمرہ ہے جو جنوب مشرقی گوشے میں واقع ہے اور مودی خانہ وہ مستطیل شکل کی کوٹھری ہے جس کے دو پہلوؤں میں اونچے اونچے چبوترے بنے ہوئے ہیں مزید برآں یہ امر بھی قرین قیاس ہے کہ جنوب مشرقی گوشے میں جو دو کمرے ہیں ابتداءً ان میں سے ایک نعمت خانہ اور دوسرا غسل خانہ کا کمرہ تھا۔ لیکن بعد میں موخر الذکر کے فرش کو آٹھ فٹ بلند کرکے اور اس کے اندر ایک حوض تعمیر کرکے حمام کی صورت میں تبدیل کر لیا اور پانی کے نکاس کے لئے ایک نالی بنالی جو درمیانی کمرے میں نکل جاتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ تبدیلی واقع ہوئی غالباً اس وقت نعمت خانے کو بھی مجلس خانے کے ساتھ ملا کر ایک کر دیا گیا تھا۔

اب صرف اس قدر بیان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ اس خانقاہ کی اصلی دیواریں بعد کے زمانے کے بڑے دو یاری نمونے کی ہیں اور اس شہادت، اور نیز دیگر شہادتوں کی بنا پر، ہم اس خانقاہ کی تعمیر کو دوسری صدی عیسوی کے اخیر سے منسوب کر سکتے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں جو اضافے اور مرمتیں خانقاہ میں ہوئیں وہ نیم تراشیدہ

Plate XX.

EXCAVATIONS AT PIPPALA
PLAN OF MONASTERIES

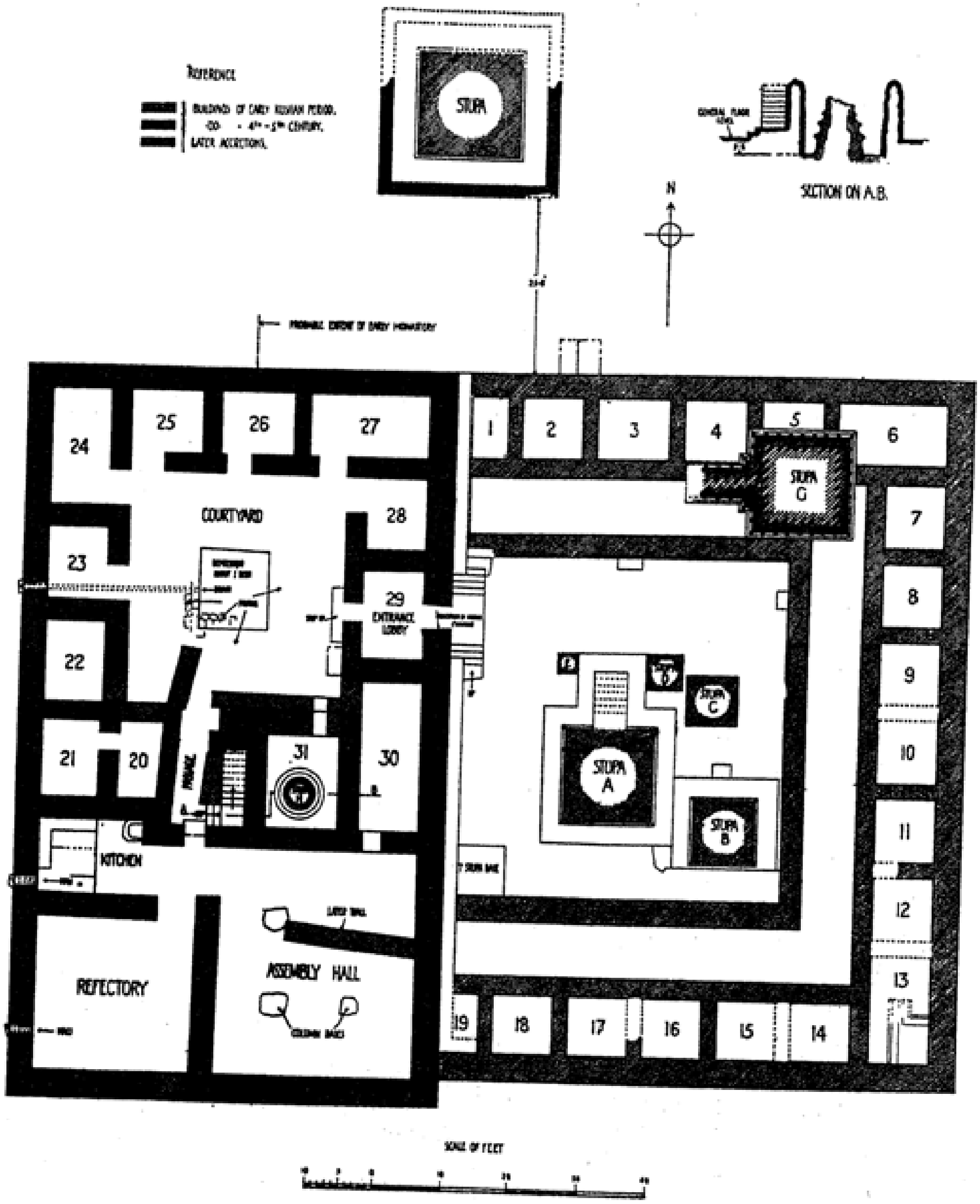

طرز کی ہیں۔ اور قریباً دو سو سال بعد عمل میں آئیں۔ خانقاہ کے فرش پر کشانی بادشاہوں ہوشک اور واسودیو کے بہت سے سکے دستیاب ہوئے ہیں اور چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء میں جو یہاں سے ہاتھ لگیں گوتم بودھی ستوا کی ایک نہایت خوبصورت قندہاری طرز کی مورت ہے جو قریب قریب بالکل صحیح و سالم ہے، بدھ کی چند پختہ مٹی کی مورتیں ہیں جو طاقچوں میں سے گر گئی تھیں اور ہرش چندر نامی ایک شخص کی ایک بہت بڑی مہر ہے جو عہد گپتا سے تعلق رکھتی ہے اور سنگ صابون کی بنی ہوئی ہے۔

پپلا

پپلا کی عمارات' جو موہڑہ مرادو اور جولیاں کی درمیانی پہاڑیوں کی گھاٹی میں سڑک سے کوئی چار سو گز جانب جنوب واقع ہیں (دیکھو نقشہ) اگرچہ جولیاں اور موہڑہ مرادو جیسی دلچسپ تو نہیں تاہم دیکھنے کے قابل ہیں۔ یہ عمارتیں دو زمانوں کی ہیں۔ مشرقی حصے میں ایک خانقاہ ہے جو ابتدائی کشانی یا شاید اخیر پہلوی زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں ایک آنگن اور اس کے چاروں طرف حجرے، آنگن کے بیچ میں ایک شمال رو یہ مربع ستوپہ کی کرسی اور اس کے قریب ہی تین اور چھوٹے ستوپوں کے آثار ملتے ہیں۔ اس خانقاہ کی اصل چنائی دو ہاری طرز کی تھی۔ اور پانچویں صدی عیسوی میں ضرور گر گرا چکی تھی۔ کیونکہ اس صدی میں اس کے مغربی حصے پر ایک نئی خانقاہ تعمیر ہوئی جس سے پرانی خانقاہوں کے برآمدے اور حجروں کے جو نشان باقی رہ گئے تھے اس کے نیچے چھپ گئے۔ ساتھ ہی پرانی خانقاہ کے بقیہ حصے کو ایک

ستوپوں والا حصہ دو منزلہ تھا اور اس میں حسب معمول صحن کے چاروں طرف بھکشوؤں کے رہنے کے کمرے اور اُن کے سامنے دو منزلہ ستون دار برآمدے تھے، صحن کے بیچ میں ایک مستطیل شکل کا قریباً ایک فٹ گہرا نشیب یعنی تالاب تھا جس میں پتھر کا فرش لگا ہوا تھا۔ اس تالاب میں چھت سے بارش کا پانی جمع ہو کر مغربی جانب جو نالی ہے اس کے ذریعہ باہر نکل جاتا تھا۔ مجلس خانے اور باورچی خانہ کو جو رستہ جاتا ہے اس کی بغل میں ایک زینہ تھا، جس کے ذریعے بالائی منزل پر جا سکتے تھے۔ (یہ منزل اب ضائع ہو چکی ہے) نیچے کی منزل کے بارہ حجرے اس وقت موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حجرہ جو مشرقی جانب ہے ڈیوڑھی کا کام دیتا تھا۔ اس ڈیوڑھی میں ایک دوہرا زینہ ہے، جس کے ذریعے مشرق میں ستوپوں والے حصے کی طرف جا سکتے تھے، جنوب مشرقی گوشے میں حجرہ نمبر ۱۳ کے اندر ایک نہایت خوبصورت ستوپہ قریب قریب ویسی ہی محفوظ حالت میں دستیاب ہوا ہے، جیسا کہ موہنجوڈرو مرادو کی خانقاہ میں ملا تھا۔ یہ ستوپہ اور حجرہ دونوں خاص طور پر قابل توجہ ہیں کیونکہ اس حجرے کا فرش خانقاہ کے اور حجروں کے فرش سے ½ ۲ فٹ نیچا ہے۔ جو ذرا تعجب خیز ہے۔ ستوپے کی مخصوص ہئیت و شان اور فرش کی گہرائی کی بنا پر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اصل میں یہ ستوپہ پُرانی (کشانی) خانقاہ کے ایک حجرے میں بنایا گیا تھا۔ اور بعد میں جب پرانی خانقاہ کے کھنڈر پر دوسری خانقاہ تعمیر ہوئی تو اس ستوپے کو نئی خانقاہ کے ایک حجرے میں شامل کر لیا گیا۔ بحالت موجودہ یہ ستوپہ آٹھ فٹ بلند ہے اور اس کی بلندی تین حصوں میں منقسم ہے جو نیچے سے اوپر کو چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔ سب سے اوپر کے حصے میں گنبد ہے اور گنبد کے اوپر چھتری تھی جس کے بہت سے ٹکڑے ستوپے کے قریب ہی پڑے ہوئے ملے ہیں۔ سب سے نیچے کا حصہ آیونی نیم ستونوں سے مزین تھا جن کے درمیان کنول کے پھول بنے ہوئے تھے لیکن بعد میں ان نیم ستونوں کو چونے

ستوپے کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا وہ اس طرح کہ سوائے صحن کے ستوپوں اور حجروں کی عقبی دیوار کے باقی تمام عمارت کو مسمار کر کے زمین کے برابر کر دیا اور عقبی دیوار سے نئے صحن کی چار دیواری کا کام لیا۔ کچھ زمانے کے بعد اس صحن کے شمالمغربی گوشے میں ایک اور چھوٹا ستوپہ (جس کا نقشہ پلیٹ نمبر ۲۰ میں G کا نشان ہے) قدیم خانقاہ کے حجرہائے نمبر ۴، ۵ و ۶ کی بنیادوں پر تعمیر ہوا (دیکھو نقشہ پلیٹ نمبر ۲۰)

اس بعد والی خانقاہ کی چنائی بھاری نیم تراشیدہ طرز کی ہے اور نہایت اچھی حالت میں ہے۔ اس کا نقشہ تو جولیاں اور موہڑہ مرادو کی خانقاہوں سے مشابہ ہے مگر یہ ان سے نسبتاً چھوٹی ہے۔ اس کے شمال میں حجروں کا صحن ہے، جنوب میں مجلس خانہ، باورچی خانہ اور نعمت خانہ اور مشرق میں مذکورہ بالا ستوپے کا صحن ہے جو خانقاہ کے بقیہ حصے کو توڑ کر بنایا گیا تھا۔ خانقاہ کے یہ تمام حصے جولیاں اور موہڑہ مرادو کی خانقاہوں سے مشابہ ہیں مگر ایک عجیب بات یہ ہے کہ باہر کی دیواریں اور مجلس خانے اور نعمت خانے کی درمیانی دیوار تو پختہ پتھر کی چنی ہوئی ہیں لیکن باورچی خانے اور کھانے کمرہ کی درمیانی دیوار ربل طرز کی یعنی چھوٹے انگھڑ پتھروں اور گارا کی بنی ہوئی ہے اور ایک سنگین کرسی پر قائم ہے، یہی طریق تعمیر ستوپے والے صحن کی اندرونی دیواروں کی چنائی میں بھی استعمال ہوا ہے یعنی نیچے ایک یا دو فٹ بلند سنگین کرسی ہے اور اس کے اوپر ربل یعنی چھوٹے انگھڑ پتھروں کی دیوار ہے جن کو لاپرواہی کے ساتھ گارے میں چنا گیا ہے۔ ان دیواروں پر بعد میں گارے کی لپائی بھی ضرور کی گئی ہوگی۔ یہ طریق تعمیر جس کی مثال ہم یہاں دیکھتے ہیں خاص طور پر دلچسپ ہے۔ کیونکہ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیکسلہ کی کھدائی کے اثنار میں جو کثیر تعداد ایسی دیواروں کی ملی ہے جو صرف ایک یا دو فٹ اونچی ہیں۔ اور جن کی اوپر کی سطح بالکل ہموار ہے، وہ اصل میں بنیادی کرسی کا کام دیتی تھیں اور ان کے اوپر گوندے کی یا گارا اور پتھر کی دیواریں تھیں جو اب بالعموم ضائع ہو چکی ہیں۔

کی تہ دے کر چھپا دیا گیا اور ان کی بجائے ستوپے پر کار نقلی طرز کے بھدے نیم ستون چونے میں بنا دیے گئے۔ درمیانی حصہ بالکل صاف ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے شمالی جانب ایک دھیانی بدھ کی مورت بنی ہوئی ہے۔ گنبد کے حصۂ زیرین کو بھی بدھ کی آٹھ بیٹھی ہوئی مورتیں مزین کرتی ہیں۔ جن میں سے دو جو جنوبی جانب ہیں اس وقت بھی بہت اچھی حالت میں ہیں۔ کھدائی کے وقت اس ستوپے پر سرخ سیاہ اور سنہری رنگ کے نشان بھی ملے تھے۔ اس حجرے کے اندر داخل ہونے کا دروازہ اصل میں تو صحن کی طرف تھا مگر بعد میں اس کا تیغہ کرکے ذرا اونچائی پر ایک کھڑکی دیوار میں بنا دی گئی۔

خانقاہ کے باہر شمال میں، ایک اور چھوٹا ستوپہ ہے جس کی چنائی اسی دو پاری طرز کی ہے جو پرانی خانقاہ میں نظر آتی ہے۔ اس کے گرد بعد میں نیم تراشیدہ طرز پر ایک دیوار بنا دی گئی جس سے ستوپے کے گرد گویا ایک پردکشنا بن گیا۔ اس ستوپے کی کرسی پر چوہلکی سی ابھرواں تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ وہ مشرقی اور جنوبی پہلوؤں پر اچھی حالت میں ہیں اور ان کی صنعت ویسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہے جیسی ان تصویروں کی جو ستوپہ موہڑہ مرادو کے جنوبی روکار پر نظر آتی ہیں اگرچہ یہ مورتیں اتنی عمدہ حالت میں نہیں ہیں۔

چھوٹی چھوٹی قدیم اشیا جو اس خانقاہ سے برآمد ہوئیں زیادہ تر سکوں کی صورت میں ہیں۔ ان میں "چھاپ شدہ" سکوں کے علاوہ حسب ذیل بادشاہوں کے سکے شامل ہیں :۔ ساءِس، کیڈفائیسس اول و دوم، کنشک، واسودیو اول ہرمزد ثانی اور شاپور ثانی و ثالث کے ساسانی سکے۔

EXCAVATIONS AT JAULIAN

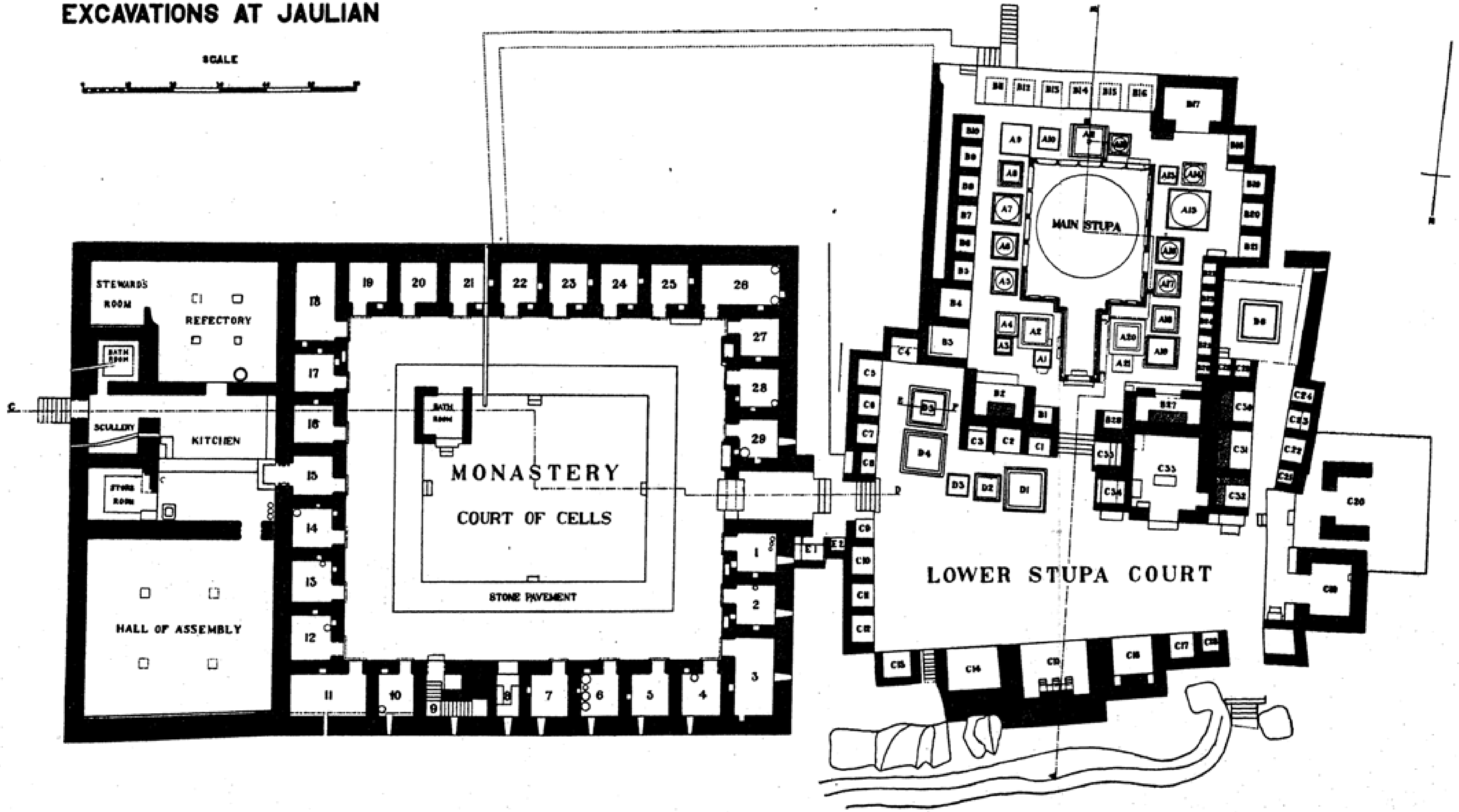

جولیاں

جولیاں کی بودھ عمارت جس پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہیں وہ تین سو فٹ کے قریب بلند، موہڑہ مرادو سے جانب شمال مشرق ایک میل سے کچھ کم اور موضع جولیاں سے قریباً نصف میل کے فاصلے پر ہے۔ موہڑہ مرادو سے چل کر اس پہاڑی پر پہنچنے کے لئے دو رستے ہیں۔ یا تو سیاح پا پیادہ اس تنگ پگڈنڈی سے جائے جو خانقاہ موہڑہ مرادو سے مشرق کو جاتی ہے، یا جس رستے سے آیا تھا اسی پر واپس آ کر بذریعہ گاڑی پختہ سڑک سے جائے۔ پہلی صورت میں پیدل سفر نہایت خوشگوار ثابت ہوگا۔ اور قریب پچیس منٹ میں منزل مقصود پر پہنچا دے گا۔ دوسرا رستہ ذرا لمبا اور چکردار ہے۔

جولیاں کی عمارات موہڑہ مرادو کی عمارات کی نسبت بہت زیادہ آراستہ اور بہتر حالت میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی عمارتوں کی تعمیر اور بعض کی ترمیم اور اُن کے نقش و نگار کی تجدید بمشکل ختم ہی ہوئی تھی کہ ان پر وہ آفت ناگہانی آ پڑی جس نے ان کا تختہ ہی اُلٹ دیا۔ لیکن بخلاف اس کے آثار جولیاں کے نقش و نگار اپنی صنعت کے لحاظ سے عمارات موہڑہ مرادو کے نقش و نگار سے نسبتہً بہت کم درجے کے ہیں، کیونکہ نہ تو ان تصاویر کی ترتیب میں وسعت پائی جاتی ہے اور نہ تصویریں ویسی متحرک اور جاندار ہی معلوم ہوتی ہیں۔ نہ ان کی تشکیل میں ویسی لطافت ہے اور نہ طریق ساخت میں وہ نفاست۔ یہ عمارات دوسری صدی عیسوی میں اہل کشان کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئیں اور پانچویں صدی میں تباہ و برباد ہو گئیں (۱) سرکپ اور بھڑ کے قدیم شہر

---

(۱) ان عمارات کی چنائی میں طرز تعمیر کے دو نمونے صاف نظر آتے ہیں۔ ایک بھدی قسم کی بڑی دو باری طرز جو اصلی ابتدائی چنائی میں استعمال ہوئی ہے۔ دوسری نیم تراشیدہ طرز جو بعد کی مرمتوں اور اضافوں میں استعمال کی گئی ہے۔

سطحوں پر واقع ہیں۔ بالائی صحن جنوب کی طرف اور زیریں شمال کی جانب ہے اور ان کے مغرب میں ایک اور چھوٹا سا صحن ہے۔ ان پیچ در پیچ عمارات میں داخل ہونے کے لئے تین دروازے رکھے گئے تھے۔ ایک صحن زیریں کے شمالمغربی کونے میں، دوسرا بالائی صحن کے جنوبمشرقی گوشے میں اور تیسرا خانقاہ کے مشرقی پہلو میں۔

ستوپوں والے چوک

پہلے دروازے سے داخل ہو کر ہم ایک وسیع اور کشادہ چوک میں پہنچتے ہیں جس کے پہلوؤں پر چند چھوٹے چھوٹے کمرے جن میں پرستش کے لئے بت رکھے جاتے تھے، اور پانچ درمیانی جسامت کے ستوپے ہیں۔ ان ستوپوں پر حفاظت کی غرض سے اب چھتیں ڈال دی گئی ہیں، لیکن اصل میں ان پر چھتیں نہ تھیں۔ تمام ستوپوں کے گنبد اور ڈھولنے ضائع ہو چکے ہیں لیکن ان کی مربع کرسیوں پر اس وقت بھی چاروں طرف بے شمار چونے کی خوبصورت اور قابل دید اُبھرواں تصویریں قطار در قطار موجود ہیں۔ مثلاً بدھ اور بودھی ستوا کی ان مورتوں کو دیکھئے جو طاقچوں کے اندر بنی ہوئی ہیں اور جن کے پہلووں میں خدام کھڑے ہیں۔ نیز ہاتھی، شیر اور بونے جو بالائی درجے کو اُٹھائے ہوئے ہیں ان کی ٹیڑھی بیڑھی تصویریں اور ان کے عجیب وغریب انداز بھی قابل دید ہیں۔ علاوہ بریں ستوپہ (D 5) پر کھروشٹی زبان کی عبارت بھی قابل التفات ہے جس میں تصویروں کے عنوان اور ان کے بنوانے والوں کے نام درج ہیں۔ کھروشٹی خط کے کتبے، خواہ وہ کسی قسم کے ہوں، ہندوستان میں بہت کمیاب ہیں اور یہ پہلا موقعہ ہے کہ اس قسم کے کتبے چونے کی اُبھرواں تصویروں پر کھدے ہوئے پائے گئے ہیں۔ اس صحن زیریں کی تمام عمارات ابتدائی عہد وسطیٰ میں، بڑے ستوپے کی مرمت اور اُس کے نقش ونگار کی از سر نو تجدید کے وقت تعمیر ہوئی تھیں اور ان کی پتھر کی چنائی بھی بعد کے زمانہ کے نیم تراشیدہ نمونے کی ہے۔

ستوپہ کلاں

یہ ستوپہ بالائی صحن میں استادہ ہے اس کی اصلی تعمیر تو غالباً عہد

تو عہد کشان سے پہلے ہی قطعاً چھوڑے جا چکے تھے اور اس زمانہ میں ٹیکسلہ کا دارالحکومت سرسکھ تھا۔ اور یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ جولیاں کی پہاڑی جیسا دلکش مقام اراکین بودھ سنگھا کے لئے بے حد دلفریبیوں اور دلچسپیوں کا موجب ہو گا۔ وہ لوگ اس مقام کے بلند اور باموقع محل وقوع، اس کے نظارے کی ہمہ گیر وسعت، اس کی خاموشانہ عزلت اور اس کی ٹھنڈی اور صاف ہوا کے گوناگوں فوائد سے لطف اُٹھانے کے بے حد آرزومند ہوں گے۔ لیکن باوجود ان تمام دلآویزیوں کے وہ اس بات کے بھی اتنے ہی خواہشمند ہوں گے کہ شہر کے لوگوں سے بھی جن کی روزانہ خیرات پر ان کی گذران کا دارومدار تھا، سلسلۂ تعلقات منقطع نہ ہونے پائے۔ اس مقام کے متعلق ایک قباحت تو ضرور ہو گی اور وہ پانی بہم پہنچانے کی دقت تھی۔ لیکن یہ ایسی مشکل ہے کہ اہل بودھ یا جینیوں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی اور اپنی عبادتگاہوں کو ہمیشہ دوردراز بلکہ بعض اوقات ایسے ایسے مقامات میں جا کر آباد کیا کہ ان تک رسائی بھی قریب ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے انھیں پانی کی بہت کم مقدار درکار ہوتی ہو گی اور اس کے لئے بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے ان معتقدین کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوں جو زیارت کی غرض سے اکثر پہاڑ پر آیا کرتے۔ خانقاہوں میں نو عمر چیلے بھی ہوا کرتے اور غالباً غلام بھی ہوں گے جن کے فرائض منصبی میں پانی بہم پہنچانا بھی شامل ہو گا بہر حال ایام قدیم میں یہ مشکل اتنی بڑی نہ تھی جتنی کہ موجودہ زمانے میں ہے۔ ابھی ایک ہی نسل کا وقفہ گزرا ہے کہ اس پہاڑی کے جنوبی دامن میں چند قدیم کنوؤں کے کھنڈر موجود تھے اور اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ اس خانقاہ کے ہم عصر تھے۔ ان کنوؤں کو زمینداروں نے بھر دیا ہے اور اب ان پر کاشت ہوتی ہے۔

عمارات جولیاں کی ترتیب نقشہ پلیٹ نمبر ۱۲ دیکھنے سے بخوبی واضح ہو جائیگی ان میں درمیانی پیمانے کی ایک خانقاہ ہے جس کے سامنے ستوپوں کے دو صحن مختلف

ستوپہ (A") کے عقب میں ستوپہ کلاں کی جنوبی دیوار پر بدھ کی چند دیوہیکل مورتیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ مورتیں نسبتہً بعد کے زمانے کی (یعنی قریباً پانچویں صدی عیسوی کی) ہیں) ان کے جسم بہت بھاری اور بناوٹ میں بھدے ہیں۔ لیکن سروں پر جو نہایت عمدہ چونے کے بنے ہوئے ہیں پلستر کی باریک تہ اور رنگ وروغن بھی ہیں۔ اور ان کی ساخت میں ہنرمندی اور جذبات دونو پائے جاتے ہیں۔ یہ سر فرش پر پڑے ہوئے ملے تھے اور اب مقامی عجائب خانے میں رکھ دئے گئے ہیں۔ اسی صحن میں ایک اور چھوٹا ستوپہ بھی توجہ کے قابل ہے۔ جو بڑے ستوپے کے مغربی پہلو پر واقع اور نقشہ میں (A¹⁵) سے تعبیر کیا گیا ہے اس پر کھروشٹی طرز تحریر میں چند نذری کتبے کندہ ہیں۔ مثلاً مشرق کی جانب ذیل کی عبارت ہے:۔

سنگھا متر سَہ بُدھَ دیوسَہ بھکشوسَہ دانمکھو۔

جس کا ترجمہ ہے "مقدس برادری کے دوست بدھ دیو نامی بھکشو کی طرف سے عاجزانہ نذر" یہ کتبے اور اسی قسم کے اور کتبے جو ہمیں جولیاں میں ملتے ہیں خاص دلچسپی رکھتے ہیں کیونکہ ان کے غیر محفوظ محل وقوع کے باوجود انکی حالت بہت عمدہ اور حروف بالکل صحیح و سالم ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتبے پانچویں صدی ان عمارات کی تباہی و بربادی سے چند ہی قرن پیشتر کندہ کئے گئے تھے۔ پس ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کھروشٹی رسم الخط کا استعمال ٹیکسلہ میں کم از کم پانچویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ حالانکہ اب تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس سے دو تین صدی قبل ہی یہ رسم الخط ناپید ہو چکا تھا۔

خانقاہ

اب ہم پھر صحن زیریں کی طرف لوٹ کر خانقاہ میں جائیں گے جو مشرقی پہلو پر واقع ہے۔ خانقاہ کے دروازے کے باہر قریب ہی بائیں جانب ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں چونے کی مورتوں کا ایک نہایت خوبصورت مجموعہ بنا ہوا ہے۔ یہ مورتیں ایسی عمدہ حالت میں ہیں کہ آج تک ہندوستان میں چونے کی مورتیں

کشاں میں عمل میں آئی تھی لیکن موجودہ عمارت اور چونے کی زیبائشی تصویریں بعد کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے شمالی روکار پر بڑھے ہوئے زینے سے ذرا بائیں جانب بدھ کی ایک تصویر بحالت نشست ہے جس کی ناف کے مقام پر ایک گول سوراخ اور نیچے کرسی پر کھروشٹی رسم الخط میں ایک نذری کتبہ کندہ ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ تصویر ایک شخص بدھ متر نامی نے بنوائی تھی "جس کو دھرم دکے کاموں، سے سترشی حاصل ہوتی تھی"۔ ناف کے سوراخ کا یہ مقصد تھا کہ جب کوئی شخص کسی جسمانی مرض سے شفا حاصل کرنے کی غرض سے یہاں آکر دعا مانگتا تو وہ اپنی انگلی اسی سوراخ میں رکھ لیا کرتا۔ یوں تو بڑے ستوپے کے گرد بہت سے چھوٹے چھوٹے ستوپے قطار در قطار واقع ہیں اور ان پر نقش و نگار بھی افراط سے ہیں۔ مگر ستوپہ (A") جو جنوبی پہلو پر ہے خاصی دلچسپی رکھتا ہے اس کی کرسی کے مشرقی پہلو پر بودھی ستوا کی ایک مورت نہایت اچھی حالت میں موجود ہے[1]۔ ستوپے کا "تبرکات کا خانہ" خلاف معمول بہت گہرا اور تنگ تھا اور اس کے اندر ایک چھوٹا سا مگر نہایت عجیب و غریب ستوپہ ملا ہے۔ یہ ستوپہ تین فٹ آٹھ انچ بلند اور سخت چونے کا بنا ہوا ہے جس پر نیلا اور ارغوانی رنگ چڑھایا گیا ہے اور اس کے گنبد پر چاروں طرف زمرد یاقوت، عقیق، لاجورد، سبزہ، لعل، سلیمانی، نیلم اور بلور کے مختلف شکل کے نگینے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ہندسی یا دوسری شکلیں بن گئی ہیں۔ اس عجیب و غریب یادگار کی صنعت بے شبہ بھدی اور ناتراشیدہ ہے لیکن اس کے عام نقشے اور اس کے نگینوں کے روشن اور فوق البھڑک رنگوں میں ایک انوکھی دلآویزی پائی جاتی ہے۔ اس کے بیچوں بیچ ایک خلا ہے جس کے اندر ایک تانبے کی ڈبیا میں، جس پر سونے کا ملمع تھا۔ تبرکات رکھے ہوئے تھے۔

---

(۱) اصلی مورت کو یہاں سے اٹھا کر عجائب خانہ میں پہنچا دیا گیا ہے اور اس کی جگہ اس کی نقل یہاں رکھدی گئی ہے

Jaulian : Relief in Niche.

ایسی محفوظ حالت میں برآمد نہیں ہوئیں (پلیٹ نمبر ۲۲)[1] اس مجموعے کے وسط میں بدھ بحالت استغراق (یعنی دھیان مدرا میں) بیٹھا ہے اس کے دائیں بائیں ایک ایک بدھا اور پیچھے دو خادم کھڑے ہیں، بائیں طرف کے خادم کے ہاتھ میں چوری ہے اور دوسرا خادم جسکے بائیں ہاتھ میں عصا ہے، وجر پانی معلوم ہوتا ہے۔ وسطی مورت پر سرخ و سیاہ روغن اور طلائی ورق کے بہت سے نشانات اب تک باقی ہیں اور کسی زمانہ میں یقیناً اس پر بلکان سب تصویروں پر سونے کے ورق چڑھے ہوئے تھے۔

جولیاں کی خانقاہ اگرچہ کسی قدر چھوٹی ہے لیکن سطحی اور ارتفاعی نقشوں کے لحاظ سے خانقاہ موہڑہ مرادو کے ساتھ بہت ملتی جلتی ہے۔ (دیکھو صفحات ۱۳۲ تا ۱۳۵) اس میں بھی وسط میں اسی قسم کا کھلا صحن اور صحن کے چاروں طرف حجروں کی قطاریں تھیں۔ وسط صحن میں اسی نمونے کا نشیب اور اس کے ایک گوشے میں غسل خانہ بنا ہوا تھا، ویسا ہی مجلس خانہ تھا، اور باورچی خانہ، نعمت خانہ، انبار خانہ اور دیگر کمرے بھی بالکل اسی قسم کے تھے اور حجروں والے صحن کے مشرقی پہلو میں واقع تھے۔ خانقاہ کے ان مختلف حصوں کی ترتیب پلیٹ نمبر ۱۲ کے نقشے سے اچھی طرح واضح ہوتی ہے۔ یہاں بھی ہمیں حجروں کے سامنے اسی قسم کے طاق اور تصویریں اور حجروں کے اندر ویسے ہی طاقچے اور کھڑکیاں نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ زینہ بھی[2] جو بالائی منزل کو جاتا ہے بالکل اسی نمونے کا ہے۔ لیکن جو معلومات ہمیں خانقاہ موہڑہ مرادو

---

(۱) اصل مورتوں کو یہاں سے اٹھا کر عجائب خانہ میں رکھدیا ہے اور انکی بجائے انکی صحیح نقلیں بنا دی گئی ہیں

(۲) دروازے کا قرب وجوار زینے کے لئے زیادہ موزوں تھا اس لئے کہ یہاں سے بالائی منزل میں رہنے والے بھکشو براہ راست اپنے حجروں میں جا سکتے تھے۔ مندر کے نزدیک زینہ رکھنے سے شاید یہ مقصد ہو کہ بھکشو لوگ اپنے حجروں میں جانے سے قبل مندر میں عبادت کر لیا کریں۔

سے حاصل ہوئی ہیں ان میں خانقاہ جولیاں کی بدولت کئی لحاظ سے قیمتی اضافہ ہوتا ہے مثلاً بعض حجروں کے دروازے جو اب تک بدستور قائم ہیں توقع سے زیادہ نیچے ہیں۔ علاوہ ازیں صحن کے شمالی پہلو پر جو حجرہ زینے کے عین بائیں جانب واقع ہے اور جس میں پختہ مٹی کی چند مورتوں (۱) کے شکستہ، مگر روغن اور سنہرے رنگ سے آراستہ حصے برآمد ہوئے ہیں۔ مندر کا کام دیتا تھا۔ اس حجرے کے دروازے پر کئی قسم کی پھول پتیوں کے بھدے مرقعے بنے ہیں۔ اندرونی تصویروں کی طرح یہ مرقعے بھی پختہ مٹی کے ہیں لیکن دونوں حالتوں میں یہ مٹی کسی خاص اہتمام سے نہیں لگائی گئی بلکہ اس عام آتش زدگی کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے جس میں یہ تمام خانقاہ پانچویں صدی عیسوی کے دوران میں مبتلا ہوئی۔ مگر آثار جولیاں کی تحقیق و تفتیش کے اثنا میں جو نیا مسالہ ہاتھ لگا ہے اس میں مٹی اور چونے کی مورتوں کے وہ بے نظیر مجموعے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، جو بعض حجروں کے سامنے بڑے بڑے طاقوں میں بنے ہوئے ہیں۔ از انجملہ چند مجموعوں کی تشریح سطور ذیل میں کیجاتی ہے۔

حجرہ نمبر ا کے سامنے کا طاق

بدھ کی مورت بحالت تلقین (۹) :- بدھ ایک تخت پر بیٹھا ہے جس کو پایوں کی بجائے بونے اپنے سروں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے دونوں طرف دو دو خادم ہیں جن میں سے سامنے کے دونوں خادموں کی تصویریں بہت ضرر رسیدہ ہیں۔ پچھلے خادموں میں بائیں جانب تو ایک عورت کی تصویر ہے جس کے سر کے بال زیور اور پھولوں سے آراستہ ہیں اور دائیں طرف غالباً ایک مرد ہے جس کے بال سادہ ڈورے سے بندھے ہوئے ہیں جو صرف ایک گول زیور سے مزین ہے۔ وسطی یعنی بدھ کی تصویر کا ڈھیلا ڈھالا لباس قابل ملاحظہ ہے۔

---

(۱) مشرقی دیوار کے ساتھ جو مورتیں بنی ہیں ان میں سے ایک جسکے ہاتھ میں صراحی ہے متبرکانہ تصویر معلوم ہوتی ہے

حجرہ نمبر ۲ کے سامنے

(اب عجائب خانے میں ہے)

بدھ بحالت استغراق تخت پر بیٹھا ہے اس کے دائیں جانب چار مورتیں ہیں، جن میں سے سامنے والی تصویر، جو نسبتہً بڑے قد کی ہے، ممکن ہے کہ اس مجموعے کے بولنے والے کی ہو۔ اس کے پاس ہی ایک اور چھوٹی تصویر ہے جو اس کی بیوی کی معلوم ہوتی ہے ان کے پیچھے ایک ملبوس تصویر استادہ ہے جس کا صرف نیچے کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے اوپر بدھ کی ایک چھوٹی سی شکستہ تصویر بحالت نشست ہے۔ بدھ کی بائیں جانب، سامنے یعنی معطی کی تصویر کے مقابل، ایک بھکشو کی تصویر ہے۔ اس کے پیچھے ایک اور بھکشو کھڑا دعا مانگ رہا ہے۔ بھکشو کے اوپر جو تصویر ہے وہ غالباً اندر دیوتا کی ہے، جو دائیں ہاتھ میں چوری لئے، جواہر نگار پگڑی باندھے اور جوشن وغیرہ زیب تن کئے کھڑا ہے۔ معطی کی تصویر پر سنہرے رنگ کے نشان پائے جاتے ہیں۔ ان تصویروں کو دیمک نے بہت نقصان پہنچایا ہے۔

حجرہ نمبر ۱۷ کے سامنے

وسط میں بدھ بحالت تلقین بیٹھا ہے۔ اس کے دائیں بائیں، سامنے کی طرف دو استادہ تصویروں کے حصص زیریں نظر آتے ہیں۔ غالباً دائیں طرف مرد اور بائیں جانب عورت کی تصویر تھی۔ ان کے پیچھے اور چھوٹی چھوٹی تصویروں کے بقیات ہیں۔

حجرہ نمبر ۲۹ کے سامنے

(اب عجائب خانے میں ہے)

وسط میں بدھ غالباً بحالت اظہار امان (ابھئے مُدرا میں) کھڑا ہے۔ اس کے دائیں بائیں بارہ تصویریں تھیں جن میں سے چند ضائع ہو چکی ہیں۔ باقی ماندہ میں

ایک درمیانے قد کے آدمی کی تصویر جو بدھ کی دائیں جانب کھڑا ہے۔ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ اس نے گھٹنوں تک کا لمبا کرتہ اور بٹن دار پاجامہ پہن رکھا ہے، سر پر کلاہ ہے اور ایک منقش پیٹی زیب کر رہے۔ اس شخص کے لباس، اس کی ڈاڑھی، اس کے چہرے کی مخصوص اور ممیز تراش خراش سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی غیر ملک کا آدمی ہے (پلیٹ نمبر ۲۳)۔ اس کے اور بدھ کے درمیان ایک چھوٹی سی تصویر ہے جس نے جبہ اور زیورات پہن رکھے ہیں اور بدھ کی بائیں جانب غالباً ایک بھکشو چادر (سنگھاٹی) اوڑھے کھڑا ہے۔ باقی تصویریں بہت شکستہ حالت میں ہیں۔

یہ مجموعے اور نیز جولیاں کی دیگر تصاویر ہندی افغانی صنعت کی تاریخ پر قابل قدر روشنی ڈالنے کے علاوہ اپنی اصطلاحی خوبیوں کے لحاظ سے بھی خاصی دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تصویر سازی کے لئے مٹی بہترین مسالہ ہے۔ یہ مسالہ چونے سے بدرجہا بہتر اور کم خرچ ہے اور اگر چھت کے ذریعے محفوظ ہو تو دیرپا بھی ہے لیکن بارش کا اس پر پڑنا غضب ہے اس لئے کہ بھیگتے ہی اس کے اجزا الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم خانقاہوں اور ستوپوں کی زیب و زینت میں غیر محفوظ مقامات میں تو چونا استعمال کیا جاتا تھا اور محفوظ مقامات میں مٹی۔ لیکن باوجودیکہ مٹی کا استعمال اسی کثرت سے ہوتا ہوگا جیسا کہ چونے کا اور پتھر کے مقابلے میں تو مٹی بہت ہی زیادہ مستعمل ہوگی تاہم شمال مغربی ہندوستان میں اب تک ایک بھی مٹی کی مورت برآمد نہیں ہوئی۔ اور اگر جولیاں کی عمارات اس تباہ کن آتش زدگی سے محفوظ رہتیں جس نے معمولی خام مٹی کی مورتوں کو پختہ مٹی میں تبدیل کر دیا تو ان میں سے ایک مورت بھی ہم تک نہ پہنچتی۔ یہی واقعہ اس امر کی بھی توضیح کرتا ہے کہ کیوں صحن ستوپہ کے مندروں کی (مٹی کی) مورتیں تو بالکل ضائع ہوگئیں اور وہ مورتیں جو اندرون یا حوالئے خانقاہ میں واقع تھیں محفوظ رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خانقاہ چونکہ دو منزلہ

Jaulian: Figure of Foreigner from Group in Front of Cell 29.

بھلڑ ستوپہ

بودھ مذہب کی یادگاروں کا ایک اور اہم مجموعہ بھلڑ ستوپے کے قریب ہے جس کا ذکر قبل ازیں صفحہ ۸۴ پر آچکا ہے۔ یہ مجموعہ کوہ سرڑا کی آخری شاخ پر جو طیاں ریلوے کی لائن کے قریب ٹیکسلہ سے پانچ میل اور دریائے ہرو سے نصف میل جانب شمال ایک نہایت دلکش اور بلند مقام پر واقع ہے ریلیٹ نمبر ۲۴) سرڑا وہ پہاڑی ہے جو وادی ہرو کو شمال کی طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ ستوپے تک پہنچنے کے لئے ٹرالی یعنی ریلوے کی ٹھیلہ گاڑی نہایت مناسب ذریعۂ سفر ہے اور بعض اوقات ٹیکسلہ ریلوے سٹیشن سے مل سکتی ہے۔ ٹیکسلہ سے بھلڑ تک رستہ ڈھلواں ہے اور قریباً چالیس منٹ میں طے ہوتا ہے۔ واپسی سفر میں ایک گھنٹہ سے زائد لگ جاتا ہے۔

ھوان چوانگ نے لکھا ہے کہ بھلڑ ستوپے کو اول اول شہنشاہ آشوک نے تعمیر کرایا تھا اور اس کی تعمیر سے اس مقام کو بطور یادگار محفوظ کرنا مقصود تھا جہاں کسی سابقہ جنم میں[1] گوتم بدھ نے اپنا سر خیرات کر دیا تھا۔ لیکن اگر آشوک نے کبھی اس مقام پر کوئی یادگار قائم کی بھی تھی تو اب اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ کیونکہ موجودہ ستوپے کی تعمیر ابتدائی عہد وسطی سے قبل کی نہیں۔ ستوپہ کنال کی مانند یہ ستوپہ بھی ایک

---

(۱) اس خاص جنم میں بودھی ستوا بشکل راجہ چندر پربھ پیدا ہوا تھا اور جس ٹیکسلہ پر وہ حکمران تھا وہ اس زمانہ میں بھدر شلا کہلاتا تھا۔ ممکن ہے کہ اس مقام پر جہاں اس وقت بھلڑ ستوپہ ہے کسی زمانہ میں کسی قومی ہیرو چندر پربھ نامی کا کوئی ستوپہ موجود ہو جس کی عبادت بعد میں بودھ مذہب میں شامل کر لی گئی ہو۔

تھی اور اُنھیں بڑے بڑے برآمدے بھی تھے اس لئے لکڑی افراط سے استعمال ہوئی تھی۔ برخلاف اس کے مندر یک منزلہ تھے اور اس لئے ان کی چھوٹی سی چھت میں جلنے کے لئے لکڑی بھی نسبتہً کم تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آتش زدگی کے وقت یک منزلہ مندروں میں آگ کی تپش اس درجے تک نہ پہنچ سکی کہ خام مٹی کی تصویروں کو پختہ کر دیتی۔

باقی رہا یہ امر کہ مذکورہ بالا آگ پانچویں صدی عیسوی سے قبل نہیں لگی، اس کا ثبوت ان چھوٹی چھوٹی قدیم چیزوں سے ملتا ہے جو حجروں کے اندر سے دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں ایک تو سرخ عقیق کی جلی ہوئی مہر ہے جس پر عہد گپتا کے براہمی رسم الخط میں الفاظ شری گلیشور دا سے کندہ ہیں۔ اور دوسری اسی عہد کی ایک دستاویز ہے جو صنوبر کی چھال (بھوج پتر) پر اسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ یہ دستاویز اپنی قسم کی پہلی تحریر ہے۔ یعنی اس قسم کی تحریر پہلے کبھی دستیاب نہیں ہوئی بدقسمتی سے آگ نے اس تحریر کو بہت بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن جو حصے اس کے باقی بچے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بودھ مذہب کی کسی منظوم سنسکرت کتاب کی عبارت لکھی تھی(۱)۔ دلچسپی کی دیگر قدیم اشیاء ہیں۔ جو خانقاہ سے دستیاب ہوئیں دو سو سے کچھ اوپر ادنےٰ نمونے کے کشانی ساسانی سکے ہیں جو چوتھی یا پانچویں صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ بریں لوہے کی بہت سی میخیں قبضے اور دیگر اوزار، تانبے کے زیور، پختہ مٹی کی مورتیں اور مٹی کے بے شمار برتن بھی ملے ہیں۔ گلی ظروف میں بڑے بڑے غلہ رکھنے کے ماٹ بھی شامل ہیں جن میں سے چند اس وقت بھی حجروں میں موجود ہیں۔

---

(۱) یہ دستاویز حجرہ نمبر ۲۹ سے ملی تھی۔

Plate XXIV.

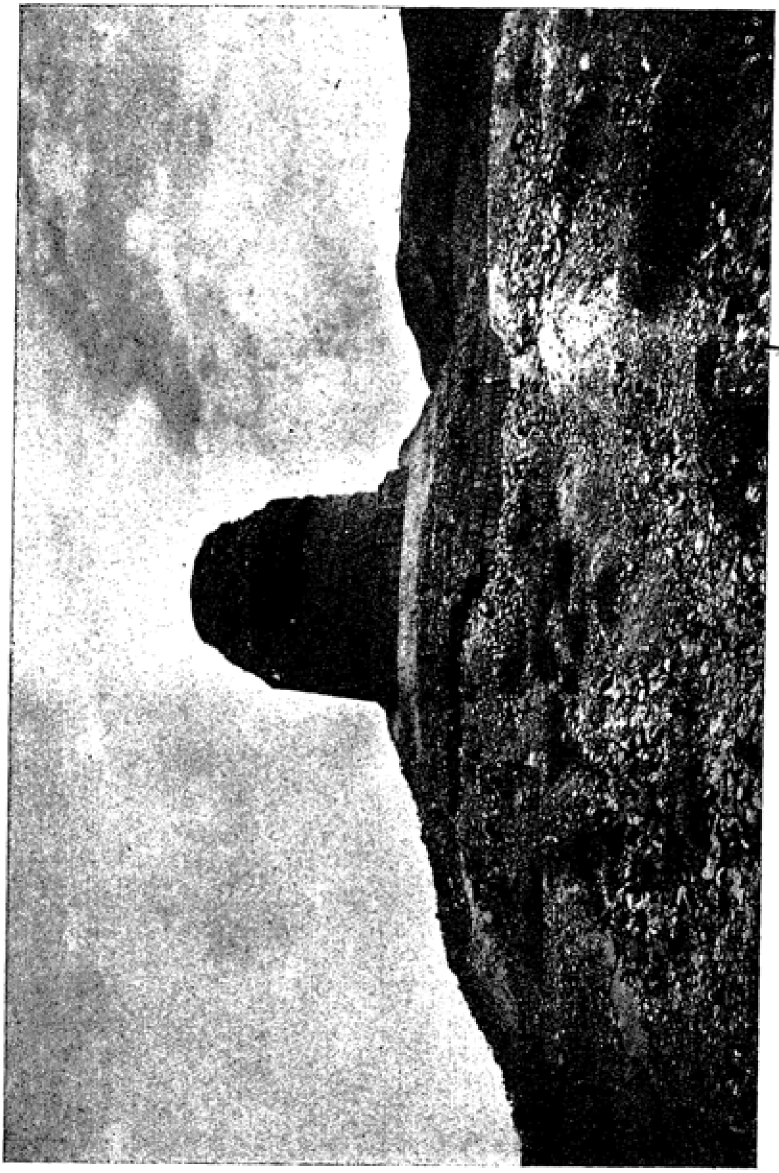

The Bhallar Stupa from S. E.

ایک بلند اور مستطیل کرسی پر تعمیر کیا گیا تھا جس کی مشرقی جانب ایک فراخ زینہ تھا بالائی عمارت میں حسب معمول ڈھولنا اور گنبد اور گنبد پر ایک یا زیادہ چھتریاں تھیں۔ ڈھولنا جو ستوپے کے قطر کے تناسب سے بہت زیادہ بلند ہے۔ چھ یا سات درجوں میں منقسم تھا۔ یہ درجے جوں جوں اوپر چڑھتے جسامت میں کم ہوتے جاتے تھے اور ان پر کار نقشی نمونے کے بھدے ستون، افریز اور دندانے دار کارنس بنے ہوئے تھے، اس وقت ستوپے کا شمالی نصف بالکل گر چکا ہے اور تبرکات کا خانہ جو ڈھولنے کے اوپر تھا اس طرف صاف نظر آتا ہے۔ ستوپے کے سامنے ایک کشادہ صحن ہے جس کے گرد بہت سے کمرے اور دیگر عمارتیں نمودار ہوئی ہیں اور صحن کے مشرق میں ایک وسیع خانقاہ کی مستحکم دیواریں ملی ہیں۔ ھوان چوانگ کا بیان ہے کہ فرقۂ سوترانتک کے بانی کمار لبدھ نے اسی خانقاہ میں بیٹھ کر اپنے رسالے اور کتابیں تصنیف کی تھیں۔ نیز وہ یہ بھی کہتا ہے کہ تھوڑے ہی دن ہوئے اس ستوپے کے صحن میں ایک معجزہ رونما ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک عورت جو جذام کے مرض میں مبتلا تھی۔ اس ستوپے پر پوجا کرنے آئی اور یہ دیکھ کر کہ تمام صحن میلا اور خس و خاشاک سے بھرا ہوا ہے اس نے صحن کو جھاڑو دے کر صاف کر دیا۔ اور ستوپے کے گرد پھول بکھیر دیئے۔ اس خدمت کی برکت سے اس کا جذام جاتا رہا اور وہ پھر ویسی ہی حسین ہو گئی جیسی بیمار ہونے سے پہلے تھی۔

باب ۱۱

بھڑ

ٹیکسلا کی قدیم یادگاروں کے اس تذکرہ کو ختم کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سب سے قدیم شہر بھڑ کی کھدائی سے جو کچھ دستیاب ہوا ہے اس کا ذکر کر دیا جائے۔ اس شہر میں کھدائی زیادہ تر آزمائشی گڑھوں اور خندقوں تک محدود رہی اور ان میں سے بھی بہت سے بعد میں بھر دئے گئے۔ مگر عجائب خانے کے جنوب کو پانچ منٹ کے رستے پر، موضع بھڑ درگاہی کے شمال میں ایک خاصہ وسیع رقبہ ہے جس کی کھدائی باقاعدہ طور پر کی گئی۔ اس رقبہ میں جو عمارتیں ملی ہیں اور نیز جو آزمائشی خندقوں میں ملی تھیں وہ چار طبقوں میں منقسم ہیں۔ سب سے اوپر والا طبقہ تیسری صدی قبل مسیح کے اخیر سے، دوسرا عہد موریا سے، تیسرا زمانہ ماقبل موریا سے اور سب سے نیچے والا طبقہ غالباً چھٹی یا ساتویں صدی قبل مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔ اچھوتی مٹی سطح زمین سے ۱۶ سے ۲۰ فٹ کی گہرائی پر ملتی ہے۔ سب سے اوپر والے طبقے کی عمارتیں سب کی سب ضائع ہو چکی ہیں۔ صرف چند ٹوٹے پھوٹے نشان کہیں کہیں رہ گئے ہیں جو توجہ کے قابل نہیں۔ دوسرے طبقے کی عمارات قریباً تین ایکڑ کے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر سکونتی مکانات کے کٹڑے یا محلے ہیں جن کے درمیان بڑے بازار (مثلاً بازار نمبر ۱۔ دیکھو نقشہ پلیٹ نمبر ۲۵) یا تنگ گلیاں ہیں۔ عام نقشے کے

لحاظ سے یہاں کے مکان پہلوی شہر سرکپ کے مکانوں کی نسبت زیادہ بے ترتیب ہیں اور بعض اور جزئیات میں بھی، خصوصاً دیواروں کی چنائی کے معاملہ میں ان سے مختلف ہیں۔ یعنی اگرچہ دونو شہروں کے مکانات کی چنائی ربل طرز کی ہے لیکن بھڑ کے مکانات میں کھنڈے زیادہ بے ترتیب اور ساتھ ہی چنائی زیادہ پختہ ہے۔ یہ پختگی بڑے پتھروں یعنی کھنڈوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی ٹکیلیں بھرنے سے حاصل ہوئی ہے جو بہت قریب قریب لگائی ہیں اور چونکہ کسی نرم سلیٹی پتھر کی ہیں۔ اس لئے ان کی گرفت زیادہ مضبوط ہے۔

بھڑ کی عمارات کی ایک اور خصوصیت جو سرکپ کی عمارتوں میں نہیں ملتی یہ ہے کہ بعض کمروں کے اندر انگھڑ پتھروں کے ستون اور بہت سے کمروں میں تنگ و تاریک کنوئیں ملے ہیں۔ ستون جو چھتوں کے سہارنے کے لئے بنائے گئے تھے، اکثر کمروں کے وسط میں مگر شاذو نادر دیواروں کے قریب بھی ملتے ہیں۔ کنوئیں بالعموم گول مگر گاہ بگاہ مربع بھی ہیں۔ اور اصل میں پانی حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ بطور جاذبوں کے بنائے گئے تھے یعنی ان میں گھر کا مستعمل پانی وغیرہ ڈالدیا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کنوؤں کے نل بہت تنگ ہیں یعنی ان کا قطر دو اور ساڑھے تین فٹ کے درمیان ہے۔ بالعموم ان کی چنائی سطح فرش سے ۱۲ - ۱۴ فٹ سے زیادہ گہری نہیں جاتی۔ دو کنوؤں میں بہت سے مٹکے احتیاط سے ایک دوسرے کے اوپر اوندھے رکھے ہوئے ملے، جیسے آج کل بھی جاذبوں میں مٹی کے برتن، تیل کے کنستر وغیرہ بھردئے جاتے ہیں۔ تاکہ جاذبے کی دیواریں اندر کو نہ گر جائیں۔ اور ساتھ ہی فضلہ کے جذب ہونے میں بھی خلل نہ پڑے۔ مذکورہ بالا دو کنوؤں میں سے ایک میں ۱۶۴ مٹی کے برتن ملے، ۶۰ شکستہ اور ۱۰۴ سالم۔ ان میں مٹکے، ہنڈے، بدھنے یا لوٹے، صراحیاں اور بہت سے مختلف صورت شکل کے برتن شامل ہیں۔ یہ برتن کنوئیں میں چنائی

Plate XXV.

PLAN OF EXCAVATIONS ON THE BHIR-MOUND

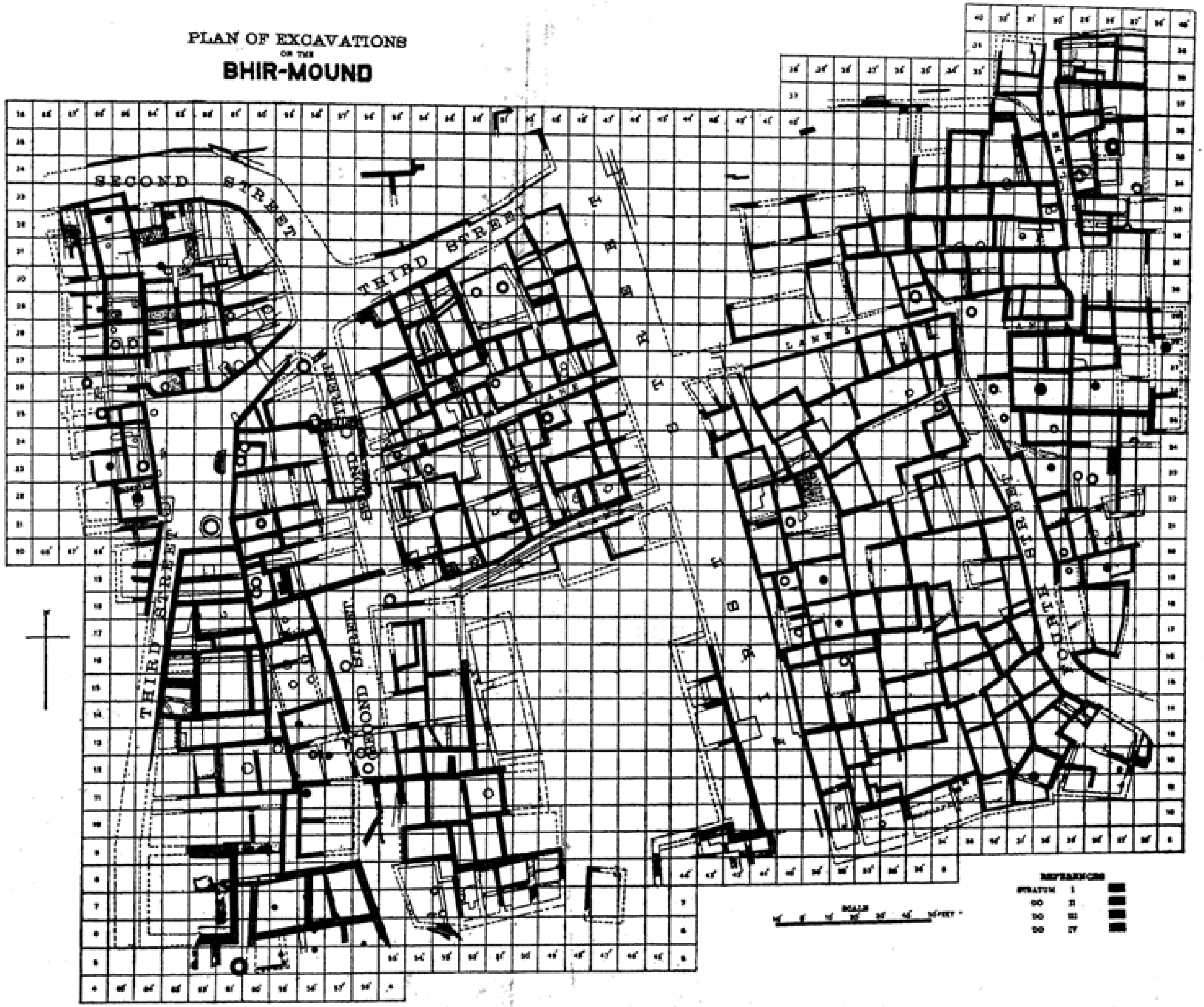

سے بھی ۱۲ فٹ ، اپنچ نیچے یعنی سطح فرش سے ۲۵ فٹ کی گہرائی تک بھرے ہوئے تھے۔ ان کے نیچے کئی فٹ تک کھدائی کی گئی لیکن ٹھیکریاں یا کوئی اور ایسی چیز نہیں ملی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ اس مٹی کو کبھی کسی انسان نے چھیڑا ہو گا۔

اس سے مختلف نمونے کا ایک جاذبہ بازار نمبر ۲ کے مشرق اور گلی نمبر ۱ کے جنوب میں ایک مکان کے اندر ملا ہے جو عراق کے جاذبوں سے مشابہ ہے یعنی اس کو اس طرح بنایا ہے کہ بہت سے مٹکے ایک دوسرے کے اوپر رکھ دئے ہیں اور ہر ایک کی تلی میں سوراخ کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا عمارات سے کوئی دو سو گز شمالمغرب کو ایک بڑا مکان ہے، جس میں ایک مستطیل ہال ۵۹ فٹ طویل اور ۲۴ فٹ عریض ہے۔ اس کے بیچوں بیچ تین مربع کرسیاں بنی ہوئی ہیں۔ کمرے کی دیواریں حسب معمول رہل طرز کی ہیں اور اس وقت ۴ فٹ ۹ انچ بلند ہیں کرسیاں بھی رہل نمونے کی ہیں۔ اور ان کے اوپر سنگیوں پتھر کی بڑی بڑی ناہموار سلیں رکھی ہیں۔ ان کے اوپر غالباً چھت کو سہارنے کے لئے چوبی ستون قائم تھے، سروں کی دونوں کرسیاں بہت کچھ جلی ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت کی تباہی کی وجہ آتش زدگی تھی۔

بھڑکی ان عمارات کی کھدائی سے جو چھوٹی چھوٹی قدیم اشیاء دستیاب ہوئیں ان میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:۔ مختلف قسم کے مٹی کے برتن، سوختہ مٹی کی چھوٹی چھوٹی اُبھرواں تصویریں۔ ٹھپے کے ذریعے بنے ہوئے پھول وغیرہ اور کھلونے، پتھر کی طشتریاں اور رکابیاں، تانبے ہاتھی دانت اور ہڈی کی بنی ہوئی سنگار کی چیزیں اور دیگر اشیاء، سونے اور کانسی کے زیورات، لوہے کے اوزار اور برتن، مالا کے دانے، نگینے، سکے۔ اور اور بہت سی مختلف چیزیں۔ گلی ظروف کی بے شمار ٹھیکریوں میں بہت سے

کا ہے۔ اس میں منجملہ دیگر اشیاء کے ایک گنگا جمنی ہار اور چاندی کے ۱۱۶۷ سکے شامل ہیں ان سکوں میں سے دو تو سکندر اعظم کے "نقرئی" چار درہم" ہیں، ایک فلپ آریڈائس کی اشرفی ہے اور باقی مختلف شکل و جسامت کے چاپ شدہ سکے ہیں +

خاتمہ بالخیر

ٹکڑے نفیس سُرخ رنگ کے برتنوں کے ہیں، جن پر چمکدار سیاہ وارنش چڑھا ہوا تھا۔ یہ وارنش یا روغن یونان کے "سرخ تصویروں والے" برتنوں سے مخصوص ہے اور یقیناً ٹیکسلہ میں بھی یونانیوں ہی کی بدولت رائج ہوا ہوگا۔ اس قسم کے برتن کے ایک ٹکڑے پر سکندر اعظم کا چہرا ٹھپے کے ذریعے بنا ہوا ہے اور اس پر شیر کے چہرے کا نقاب ہے۔ بھڑ سے جو ترشے ہوئے پتھروں کے نگینے ملے ہیں۔ سرکپ کے نگینوں کی نسبت ان کا پالش زیادہ چمکدار اور پتھر کا انتخاب زیادہ عمدہ ہے اسی طرح سونے کا کام بھی بلحاظ ساخت وصفائی کے زیادہ نفیس اور دانے دار اور جالی کے کام کے نقشے زیادہ نازک اور لطیف ہیں۔ سکوں اور زیورات کے کئی چھوٹے چھوٹے دفینے بھی بھڑ کی کھدائی میں برآمد ہوئے۔ ان میں ایک اندوختہ جو سب سے اخیر میں ملا اس میں ۱۶۰ کھوٹی چاندی کے "چھاپ شدہ" سکے، ڈایوڈوٹس کے عہد کی اور ایتھنز کی ٹکسال کی ایک نہایت خوبصورت اشرفی جو اینٹی اوکس ثانی والئی شام کے نام پر مضروب ہوئی تھی، ایک طلائی چوڑی اور سونے اور چاندی کے چند اور زیور، اور موتی مونگے لاجورد عقیق سرخ اور دیگر پتھروں کے دانے ملے۔ علاوہ ازیں شیر کے ناخن کی شکل کا ایک طلائی آویزہ اور مستطیل شکل کی ایک تبرکات رکھنے کی طلائی ڈبیا بھی ملی۔ یہ دونوں صنعت زرگری کے نہایت خوبصورت نمونے ہیں۔ اینٹی اوکس کے سکے سے اور نیز مقامی چھاپ شدہ سکوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زیورات تیسری صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف میں اس جگہ دفن کئے گئے تھے جبکہ ٹیکسلہ شاہانِ موریا کے زیر حکومت تھا۔ ایک اور اندوختہ جو اس سے بھی زیادہ قیمتی ہے کھدائی کے مشرقی سرے کے قریب طبقہ ثانی سے برآمد ہوا اور غالباً دو نسل پہلے

Bracket	بریکٹ۔ توڑی۔ گھوڑی۔ مورلی
Ramp	پاشیب
Terra-cotta	پختہ مٹی
Capital	پھر کالہ۔ تاج ستون
Retaining wall	پشتہ
Parthian	پہلوی۔ اہل پارتھیا یا فارس
Survey Map	پیمائشی نقشہ۔ نقشہ
Relic Chamber	تبرکات کا خانہ
Relic Vase	تبرکات کا برتن۔ظرف تبرکات
Ashlar	تراشیدہ"
Ideutification	تطبیق۔تعیین۔مطابقت
Persepolis	تخت جمشید
Pedestal	ٹیک۔ کرسی
Bell-shaped	جرس نما گھنٹی نما
Persepolitan	جمشیدی
Cameo	جواہرات پر ابھرواں تصویر
Intaglio	جواہرات پر سطح سے نیچے کھدی ہوئی تصویر
Punch-marked	چھاپ شدہ"
Stucco reliefs	چونے کی تصویریں
Coping	حاشیہ۔ منڈیر۔ کوپنگ
Excavations	حفریات۔ کھدائی

فہرست الفاظ

آثار۔ عمارات	Monuments
آثار۔ بقیات۔ کھنڈرات	Remains
آثار یا تبرکات	Relics
ارتقا	Evolution
آرمائی	Aramaic
آیونی (اہل یونان کی تین مشہور طرزوں میں سے ایک طرز تعمیر جس کی پہچان خاص نمونے کے ستونوں سے ہوتی ہے)	Ionic
اجارہ	Dado
اچھوتی مٹی	Virgin Soil
اخمینی یا ہخامنشی شاہان ایران	Achaemenians
ابھرواں تصاویر یا مورتیں۔ نقوش	Figures in relief
ارک قلعہ (شہر کا سب سے اونچا حصہ)	Akropolis
انگھڑ	Rubble
افریز	Frieze
بوسے۔ انسانی صورت کے ستون	Atlantes
باختر	Bactria
بالائی عمارت۔ بناء فوقانی	Superstructure
برج	Bastion

Technique	فن سنگتراشی میں تصویر کا اصطلاحی طریق تکمیل اصطلاحی امور۔ عملی دستکاری
B. C. (Before Christ)	ق۔م۔ (قبل مسیح)
Corinthian	کارنتھی (یونان کی ایک قدیم طرز تعمیر جس میں ستون کے تاج اور کرسی پر نہایت خوبصورت پھول پتی کا کام ہوتا ہے
Cornice	کارنس۔ چھجہ
Railing, Balustrade	کٹہرہ۔ جنگلہ
Plinth	کرسی (عمارت کی)
Base	کرسی (ستون کی)
Pedestal	کرسی (مورت وغیرہ کی)
Cyma-recta	گولا غلطہ
Vault	لداؤ
Torus and Scotia	مجوف اور محدب
Eurasian Greeks	مخلوط یونانی۔ ایشیائی یونانی
Hybrid Art	مخلوط صنعت
Corridor	مسقف رستے
Chapel, Shrine.	مندر
Statue, Image, Figure	مجسمہ۔ مورتی۔ تصویر۔ بت۔ مورت
Concave Curvature	مجوف گولائی
Apsidal Temple	محرابی مندر۔ قوسی مندر

Ribbed, Fluted	خیارہ دار
Granulated	دانے دار کام
Dentil	دندانے دار کندہ کاری
Diaper	"دوپاری"
Doric	ڈورک (یونان کی ایک قدیم طرز تعمیر جس میں ستون سادہ ہوتے ہیں)
Drum	ڈہولنا
Course (of masonry)	روہ
Loophole	روزن
Mouldings	ساز
Plan	سطحی نقشہ۔ نقشہ
Block of hosues	سلسلہ یا مجموعہ مکانات
Steatite	سنگ صابون
Oxus	سیحون (دریا)
Scythian	ساکا
Niche	طاق۔ طاقچہ
Style	طرز۔ نمونہ
Shaft(of pillar)	عمود ستون۔ ساق ستون۔ ڈنڈا۔ پایہ۔
Antiquities	عتائق۔ قدیم اشیاء
Mediæval age / Medieaval period	عہد وسطیٰ۔ قرون وسطیٰ۔
Cyma-reversa	غلطہ گولا

ہندوستان میں اُن ایجنٹس کی فہرست جہاں سے گورنمنٹ آف انڈیا کی شائع شدہ کتابیں مل سکتی ہیں

(الف) صوبہ جاتی حکومت کے کتب خانے

(۱) آسام :- سکریٹریٹ پریس، شیلانگ
(۲) بہار :- سپرنٹنڈنٹ، گورنمنٹ پرنٹنگ، پوسٹ آفس گلزار باغ، پٹنہ
(۳) بمبئی :- سپرنٹنڈنٹ، گورنمنٹ پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری کوئنس روڈ بمبئی
(۴) صوبہ متوسط :- سپرنٹنڈنٹ، گورنمنٹ پرنٹنگ، صوبہ متوسط - ناگپور
(۵) مدراس :- سپرنٹنڈنٹ، گورنمنٹ پریس، ماونٹ روڈ، مدراس
(۶) شمالی مغربی سرحدی صوبہ :- منیجر گورنمنٹ پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری، پشاور
(۷) اڑیسہ :- پریس افسر گورنمنٹ پریس - کٹک
(۸) پنجاب :- سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پرنٹنگ، پنجاب، لاہور
(۹) سندھ :- منیجر، سندھ گورنمنٹ بک ڈپو اینڈ ریکارڈ آفس، کراچی (صدر)
(۱۰) صوبہ متحدہ :- سپرنٹنڈنٹ پرنٹنگ اینڈ اسٹیشنری، یوپی - الٰہ آباد

(ب) پرائیوٹ کتب فروش

اڈوانی اینڈ کو - مال روڈ - کانپور
ایرو اسٹورس، کراچی
آرمی مسکٹری اسٹورس، موگا (پنجاب)
بھتیا اینڈ کو - لمیٹڈ - اسٹیشن روڈ، اجمیر
بنگال فلائنگ کلب - ڈم ڈم چھاؤنی
بھوانی اینڈ سنز، نئی دہلی
بمبئی بک ڈپو - چرنی روڈ، گرگاؤں، بمبئی

بک کمپنی، کلکتہ
بک لورس رزورٹ، ٹیکاڈ - ٹریونڈرم
(جنوبی ہندوستان)
برٹش بک ڈپو - لکھنؤ
برٹش بک ڈپو - رسالپور
برٹش اسٹیشنری مارٹ، بکسیلرس، پشاور چھاؤنی
بجنتھم اینڈ کو، بکسیلرس اینڈ اسٹیشنرس

Circular drum	مدور ڈھولن
Statue in the round	مکمل مجسمہ
Frontality	مُقابلہ۔ مواجہت۔
Satrap	مرزبان۔ صوبہ دار
Relief	مرقع۔ مجموعہ تصاویر۔ ابھرواں تصویر
Bead	منکا۔ دانہ
Paste	نقلی جواہرات بنانے کا مسالہ
Pilaster, Antæ	نیم ستون
Hellenistic School	یونانی طرز۔ یونانی صنعت
Greek Mythology	یونانی علم الاصنام
Unifacial	یک رُخی

کرشنا سوامی اینڈ کمپنی ٹیپے کلم ڈاکخانہ
ترچناپلی قلعہ ۔ مسرز ایس
لاہری اینڈ کمپنی لمیٹیڈ کلکتہ ۔ مسرز ایس ۔ کے
لنڈن بک کمپنی (انڈیا) ارباب روڈ ۔
پشاور ۔ مری ۔ نوشہرہ اور راولپنڈی
لائل بک ڈیپو ۔ لائل پور
ماتھر اینڈ کو ۔ ۔ ۔ چتسہ ویلانر بیونا
سول لائسنز ۔ جودھپور (راجپوتانہ) میسرز بی ایس منوالا
بکشاپ، انارکلی اسٹریٹ لاہور، ماڈرن بک ڈپو
بازار روڈ ۔ سیالکوٹ چھاؤنی
موہن لال دوسابھائی شاہ راجکوٹ
موہن نیوز ایجنسی کیپلرس وغیرہ
کوٹہ ۔ راجپوتانہ
نیشنل ۔ ویفیر پبلشنگ لمیٹیڈ بنگلور
نیو بک کو ۔ "کتاب محل"
۱۹۲ ہورن بی روڈ ۔ بمبئی
نیومین اینڈ کو ۔ لمیٹیڈ کلکتہ ۔ مسرز ڈبلیو
اکسفورڈ بک اینڈ
اسٹیشنری کمپنی دہلی ۔ لاہور
شملہ ۔ میرٹھ
اور ۔ کلکتہ
پارکھ اینڈ کو ۔ بڑودہ ۔ مسرز بی
پائنیر بک سپلائی کو ۔
۴۰ ۔ شیو نرائن داس لین
کلکتہ اور ۲۱۹ ۔ کلاتھ مارکیٹ دہلی
پالمبر بک ڈپو، گرانٹ روڈ، بمبئی
پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی ، لاہور

پنجاب سنسکرت بک ڈپو ۔ لاہور
رگھوناتھ پرشاد اینڈ سنز ۔ پٹنہ شہر
رام کشن اینڈ سنز ۔ کیپلرس ۔ انارکلی
لاہور
رام کشن برادرس ۔ مقابل لشرام باغ
پونہ شہر
رمیش بک ڈپو اینڈ اسٹیشنری مارٹ
کشمیری گیٹ دہلی
رے اینڈ سنز ، ۴۳ کے اینڈ
ایل ایڈورڈز روڈ ۔ راولپنڈی
مری اور پشاور ۔ مسرز جے
رلائنس اسٹورس کیپلرس
پرنس اسٹریٹ ۔ کراچی
رائے چودھری اینڈ کو ۔
۷۲ ہیریسن روڈ ، کلکتہ ۔ مسرز این ۔ ایم
سرسوتی بک ڈپو
۱۵ لیڈی ہارڈنگ روڈ نئی دہلی
سرکار اینڈ سنز ۱۵ کالج اسکوائر
کلکتہ ۔ مسرز ایم ۔ سی
شرو امندر ۔ لمیٹیڈ
نئی سڑک ۔ دہلی
اسٹنڈرڈ بک ڈپو ۔ کانپور
اسٹنڈرڈ بک ڈپو ۔ لاہور
دہلی ۔ اور شملہ
اسٹنڈرڈ بک اسٹال ۔ کراچی
اسٹنڈرڈ بک اسٹال ۔ کوئٹہ
اسٹنڈرڈ لا بک سوسائٹی ۶۹ اے
ہیریسن روڈ ۔ کلکتہ

گرینڈ ڈ اسٹریٹ، سیالکوٹ شہر
برما بک کلب۔ لمیٹیڈ۔ رنگون
کیمبرج بک کو، کمپیاں نیو ڈاک بنگلہ روڈ پٹنہ
چندر کانتھ چمن لال، وورا، احمد آباد
چٹرجی اینڈ کو، ۳۰ بچہ رام چٹرجی لین
کلکتہ
چینی اینڈ سنز، کمپیاں وغیرہ دھنولی
ناگپور۔ سی پی
چکرورتی چٹرجی اینڈ کو، لمیٹیڈ
۱۳ کالج اسکوائر۔ کلکتہ
داس گپتا اینڈ کو، سابر ۵۴/۳ کالج اسٹریٹ کلکتہ
ڈیسٹین برادرس، ہوم سروس،
۴۵۶ ۔ روی دار پیٹھ، پونہ ۲
دہلی اینڈ یوپی۔ فلائنگ کلب۔ لمیٹیڈ۔ دہلی
دیشمکھ بک ڈپو۔ اسٹیشن روڈ، شولاپور
انگلش بک ڈپو، فیروز پور
انگلش بک اسٹال، کراچی
انگلش بک ڈپو۔ تاج روڈ۔ آگرہ
انگلش بک اسٹورس۔ ایبٹ آباد شمالی مغربی سرحدی صوبہ
فقیر چند مروانا۔ پشاور چھاونی
ہگنس باتھمس، مدراس
ہندو لائبریری ۱۳۷ ۔ ایف بل رام
ڈی اسٹریٹ۔ کلکتہ
ایچ۔ ایل کالج آف کامرس۔ کواپریٹو اسٹورس لمیٹیڈ
احمد آباد
حیدرآباد بک ڈپو۔ چادر گھاٹ، حیدرآباد (دکن)
آئیڈیل بک ڈپو۔ راج پور روڈ، دہرہ دون

اینڈ مبیتی بازار، میرٹھ
امپریل بک ڈپو اینڈ پریس، متصل جامع مسجد
(کھیلی والان)، دہلی
امپریل پبلشنگ کمپنی لاہور
انڈین آرمی بک ڈپو ۔ دیال باغ آگرہ
انڈین آرمی بک ڈپو ۔ دریا گنج ۔ دہلی
انڈین اسکول سپلائی ڈپو، سنٹرل ایونیو ساؤتھ
ڈاکخانہ دھرم تلہ۔ کلکتہ
انٹرنیشنل بک سروس پونہ ۔ ۴
جینا اینڈ برادرس، موری گیٹ ۔ دہلی
اینڈ کناٹ پلیس۔ نئی دہلی۔ مسرز جے۔ ایم
جین اینڈ برادرس، صرافہ روڈ۔ گوالیار۔ مسرز ایم۔ بی
جوشی نیوز ایجنٹ ۔ دیوگڈھ باریا
براستہ پیلود۔ بمبئی۔ مسرز ڈی۔ جی
کمالا بک ڈپو،
۱۵ کالج اسکوائر، کلکتہ
کانسل اینڈ کو، ۹ کمرشیل بلڈنگس
مال روڈ ۔ لاہور، مسرز این سی
کرناٹک ساہیتیا مندر پبلشرز اینڈ
ڈائرکٹ امپورٹرس دھارواڑ
(جنوبی ہندوستان)
کیل اینڈ کو،
۶۵ بریٹو روڈ۔ کراچی۔ صدر
ملہوترا اینڈ کو، پوسٹ بکس ۹۴۔ لاہور مسرز یو پی
کتابستان ۔ ۱۷ ۔ سٹی روڈ ۔ الہ آباد

سبحان کمبیلر اینڈ پبلشر
بلاس پور سی۔پی، مسٹر ایم۔اے
سوامی ناتھ شوم اینڈ کو
پدو کوٹھہ۔ مسرز پی۔این
ٹنا وادا اینڈ سنز
کمبیلرس۔ سانگلی
را اینڈ سنز رزنگ (ہندوستان) مسرز پی۔ایس
تارا پور والا سنز
اینڈ کو، بمبئی۔ مسرز ڈی۔بی
ٹھیکر اینڈ کو، لمیٹیڈ
بمبئی
ٹھیکر اسپنک اینڈ کو (۱۹۳۳)
لمیٹیڈ، کلکتہ
تری پاٹھی اینڈ کو کمبیلرس پرنسس اسٹریٹ
کالبا دیوی روڈ۔ بمبئی۔ مسرز این۔ایم

یو براے، جے۔سی
جرنلسٹ، پرنٹر اینڈ پبلشر عیسیٰ اوس
الیگزینڈر روڈ۔ انبالہ
یونیورسٹی بک ایجنسی، کچہری روڈ لاہور
اپر انڈیا پبلشنگ ہاؤس لمیٹیڈ، لٹریچر پیلس
امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ
ورا اچاری اینڈ کو، مدراس۔ مسرز پی
وینکاٹا سوبان، اے؛
لا بک سیلرز، ویلور
وھیلر اینڈ کو، الٰہ آباد۔ کلکتہ
اور بمبئی۔ مسرز اے۔ایچ
ینگ مین اینڈ کو
(رجسٹرڈ) اجمیری روڈ، دہلی

۱؎ ایجنٹس متعلقہ محض کتب ہوائی جہاز

۲؎ ایجنٹ متعلقہ محض فوجی کتب

مطبوعہ جیّد پریس دہلے

"A book that is shut is but a block"

CENTRAL ARCHAEOLOGICAL LIBRARY

GOVT. OF INDIA
Department of Archaeology
NEW DELHI.

Please help us to keep the book clean and moving.

D GA. 41
1030.
30327

رہنمائے ٹیکسلا

مترجمہ

چودہری محمد حمید خاں صاحب قریشی، بی۔ اے۔

طبع ثانی

سنہ ۱۹۳۹ء

913.05
Tax/Mar

قیمت فی جلد چودہ آنہ یا ایک شلنگ تین پنس